خیبر پختونخوا سے شائع ہونیوالا بچوں کا واحد اور مقبول ترین رسالہ

ماہنامہ اقبال ڈائجسٹ پشاور

شاہین

اگست 2021ء

''میرے مولیٰ''

بشریٰ صدیقہ وسیم

میرے مولیٰ میرے خدا
بری گھڑی سے مجھے بچا

تیری ہر اک نعمت کا
ہر دم شکر کروں میں ادا

خوشیاں ہوں یا وقت کڑا
یاد ہو تیری دل میں سدا

سارے رشتے جھوٹے ہیں
سچا رشتہ صرف تیرا

نام ترا ہو لب پہ میرے
روح بدن سے جب ہو جدا

مالک مجھ سے راضی ہو
میری ہے بس یہی متاع

رب راضی تو بیڑے پار
جان لے کاش یہ ہر بندہ

''نعت نبی ﷺ''

حافظ نور احمد

اے کاش ! ثناء معرضِ اظہار میں آئے
جب اسم گرامی میری گفتار میں آئے

ہیں سب ہی ہدایت کے درخشندہ ستارے
خوش بختی سے جو صحبت سرکار میں آئے

اللہ کی رحمت نے انہیں خوب نوازا
عشاق کہ جو شہر طرحدار میں آئے

دل کی یہ تمنا ہے کہ وہ ماہ مدینہ
اک لمحہ کو آئینۂ دیدار میں آئے

نعتوں میں جو کیفیتِ اخلاص ہے ظاہر
اے کاش کو وہ آئینہ کردار میں آئے

بنتی ہی نہیں بات یہاں اور وہاں کی
جب تک نہ عمل اسوۂ سرکار میں آئے

اے سید و سردار امم، چشم کرم ہو
یہ نور خطا کار بھی دربار میں آئے

جشن آزادی مبارک

(شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے)

ماہنامہ اقبال ڈائجسٹ پشاور

"شاہین"

رکن اسلامک سوسائٹی آف چلڈرن ہابیز

جلد نمبر 31 شمارہ نمبر 7

فہرست مضامین

"آپس کی بات"

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

اقبال کے شاہینو! نیکی کے سپاہیو!

امید ہے کہ شاہین کا یہ شمارہ آپ کو اس حال میں ملے گا کہ تم خوش باش، جوش و جذبے کے ساتھ یوم آزادی کی تیاری میں مصروف ہوں گے، اگست کا مہینہ ہی ایسا ہے کہ شروع ہوتے ہی ہر پاکستانی کا چہرہ کھل اٹھتا ہے۔ اور اس کی اپنے پیارے وطن سے محبت بڑھ جاتی ہے۔ 14 اگست کا دن وہ مبارک دن ہے جب برصغیر کے مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں سے آزادی حاصل ہوئی تھی ٹھیک ہے اس دن ہم خوشیاں بھی منائیں گے، ملی نغمے بھی گائیں گے، تقاریب کا اہتمام بھی کریں گے، مگر اس سب سے زیادہ ضروری اور اہم یہ بات ہے کہ ہمارے دلوں اور ذہنوں میں یہ بات واضح اور راسخ ہو کہ ہم نے یہ آزادی کس مقصد کیلئے حاصل کی ہے؟ اور کیسے حاصل کی ہے؟ اس کی تکمیل کیلئے کیا کرنا ہے؟ اور اس کی حفاظت کیسے ہوگی ان سوالات پر ضرور سوچیں، اس پر اپنے والدین اور اساتذہ کیساتھ گفتگو کریں، ان سوالات پر اپنے ہم عمر اور ہم جماعت ساتھیوں کے ساتھ بحث مباحثہ کریں۔

پیارے شاہینو! آزادی کا ایک ہی مقصد تھا اسلامی فلاحی مملکت کا قیام وہ منزل ابھی نہیں آئی۔ اس کی طرف سفر جاری رکھیں گے۔ منزل پر پہنچنے سے پہلے نہ رکیں گے، نہ تھکیں گے اب سب میرے ساتھ مل کر نعرہ لگائیں۔

پاکستان کا مطلب کیا؟

لا الہ الا اللہ

ضیاء اللہ خان ضیاؔء

مدیر شاہین اقبال ڈائجسٹ

رابطہ کیجئے

دفتر شاہین، تیسری منزل،
قذافی بلڈنگ، چوک یادگار پشاور

اوقات کار
صبح 9 بجے سے شام 5 بجے تک

0332-9760979
0308-2157589
digest_shaheen@yahoo.com
@ShaheenDigestOfficial

قیمت: 40 روپے
سالانہ رجسٹریشن
عام ڈاک: 600 روپے
رجسٹرڈ ڈاک 800 روپے

پرانی حویلی

مصباح ناز

فادی آج اپنی امی کے ساتھ پہلی بار کینڈا سے پاکستان آیا تھا۔فادی کی امی شادی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ کینڈا میں رہنے لگی تھی۔ایک دو بار پاکستان آئی تو اکیلی ہی آئی۔فادی کو اپنے ساتھ پہلی بار لائی۔فادی پندرہ سال کا تھا۔یہاں اسکے تین ماموں اور دو خالہ رہتی تھی۔

یہ سب ایک گاں میں رہائش پزیر تھے۔اسی وجہ سے فادی کی امی اپنے بچوں کو پاکستان نہیں لاتی تھی کہ یہاں آ کر بچے گاں میں رہ پائیں گے کے نہیں۔فادی اب بڑا ہو گیا تھا۔اسکی امی اسے گاؤں کے بارے میں باتیں بتاتی تو اسے دلچسپی ہونے لگی کے وہ بھی گاؤں جائے۔چنانچہ اس بار جب امی پاکستان جانے لگی تو فادی میاں بھی اپنا سامان باندھ لائے۔امی کو بہت خوشی ہوئی کہ فادی اپنی مرضی سے جانا چاہتا ہے۔انہوں نے باقی دونوں بچوں کو اپنے شوہر کے سپرد کیا اور فادی اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ پاکستان پہنچ آئی۔گاؤں سے ائرپورٹ کافی دور تھا۔اس لیے صرف دو ماموں اور ان میں سے ایک کا بیٹا ہی انہیں لینے آئے۔

مگر گھر پر سب نانا جان والے گھر میں جہاں تینوں ماموں اکھٹے رہتے تھے۔دونوں خالہ سمیت سب بچے بڑے انکا بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔گھر پہنچے تو انکا بہت زور و شور سے استقبال ہوا۔کوئی گلے لگ کر رونے لگا تو کوئی پھولوں کے ہار لے آیا۔کسی نے مٹھائی کی تھال اٹھائی تھی۔سب ہی کچھ نا کچھ خاص کرنا چاہتے تھے۔یہ انکا طریقہ تھا یہ جتانے کا کہ انہیں انکی آمد کی کتنی خوشی ہوئی ہے۔فادی ایک ساتھ اتنے سارے بندے دیکھ کر حیران تھا۔سب ہی اپنے اپنے بچوں کا تعارف اس سے کروا رہے تھے۔

مگر اتنے سارے بچوں کے نام ایک وقت میں یاد کرنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔فادی کو بس اس بچے کا نام یاد تھا جو ائرپورٹ ماموں کے ساتھ آیا تھا تنویر۔فادی کی اردو بھی اتنی اچھی نہیں تھی۔گاؤں میں اسکی سب سے چھوٹی ممانی نے سوچا کہ کیوں نا وہ اپنا تعارف انگریزی میں کروایں۔

تو وہ اپنا تعارف اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کرانے لگی۔مائی نیم از شبانا۔یہ مائی بیبیز (یہ میرے بچے)۔شبانا ممانی کے اس تعارف پر فادی کا منہ تو کھلا کا کھلا تھا۔لیکن باقی سب ہنس ہنس کر گر رہے تھے۔تب ہی ماموں نے کہا شبانا بچے کو اپنی انگریزی سے خوفزدہ نا کرو۔یہ نا ہو ابھی کہ ابھی واپس بھاگ جائے۔سب سے میل ملاقات کے بعد اب کھانے کی باری آئی۔سب نے کچھ نا کچھ پکا رکھا تھا۔اور سب ہی چاہتے تھے کہ انکا کھانا کھایا جائے۔سب کا کھانا چکھتے چکھتے ہی پیٹ بھر گیا۔اسکے بعد انہوں نے آرام کیا۔شام میں دونوں ۔۔۔۔ خالہ واپس اپنے گھروں کو لوٹ گئی۔شام میں تینوں ماموں کے بچوں تنویر، شہباز، نعمان، نے فیصلہ کیا کہ وہ فادی کو گاؤں کی سیر کروا لائیں۔

لڑکیاں گھر پر ہی رہی۔فادی بھی انکے ساتھ جانے کو راضی ہو گیا۔فادی زیادہ بات چیت اب بھی صرف تنویر سے ہی کر رہا تھا۔باقی دونوں کو یہ بات پسند نہیں آ رہی تھی۔گاؤں کی سیر کے دوران گائے اور دوسرے جانور ایسے کھلے عام گھومتے دیکھ فادی نے بہت برا منہ بنایا۔ہر چیز میں مانو وہ کوئی نا کوئی نقص نکال رہا تھا۔اس بات پر بھی اب سب کزنز کو غصہ آنے لگا تھا۔نعمان اور شہباز نے سوچا کیوں نا اس انگریز بابو کو سبق سیکھایا جائے۔نعمان بولا، چلو فادی کو پرانی حویلی بھی دیکھا ہی لاتے ہیں۔

وہ یقیناً فادی کو ضرور پسند آئے گی۔پرانی حویلی؟ مگر وہاں تو۔۔۔تنویر کچھ کہتا ہی کہ شہباز نے اسے ٹوک دیا۔ہاں ہمیں پتا ہے وہاں بھوت پریت کا سایہ ہے۔مگر میں نے سنا ہے یہ گورے لوگ ان چیزوں پر یقین نہیں رکھتے کیوں فادی میاں؟ شہباز نے یہ کہتے ہوئے فادی کو دیکھا۔

YESایسا ہی ہے۔فادی نے جواب دیا۔ٹھیک ہے تو پھر چلو چلیں۔نعمان نے کہا اور وہ سب پرانی حویلی کی طرف چل پڑے۔۔اب وہ پرانی

جشن آزادی مبارک

حویلی کے باہر کھڑے تھے۔اندر جانے سے پہلے شہباز نے فادی کو خوفزدہ کرنے کے لیے کہا کہ اگر کوئی تمہارا نام پکارے اور آواز جانی پہچانی نا لگے تو پیچھے مڑ کر مت دیکھنا۔ یہاں ماننا ہے کہ بھوت پیچھے سے آواز دیتے ہیں اور اگر پیچھے مڑ کر دیکھو تو وہ انسان کے اندر چلے جاتے ہیں۔اگر اندر نا بھی جائیں تو وہ اس انسان کو مار تو ضرور ہی دیتے ہیں۔فادی نے ہاں میں سر ہلایا اور اندر چل پڑا۔پہلے انہوں نے نچلی منزل کا جائزہ لیا مگر وہاں گرد وغبار کے سوا کچھ نا ملا۔فادی نے اوپری منزل پر جانے کا اسرار کیا۔سب نے کوئی نا کوئی بہانا بنایا کہ اوپر جانے کا دل نہیں۔

کوئی بولا میں چل چل کر تھک گیا ہو۔اصل بات تو یہ تھی کہ انہیں ڈر لگ رہا تھا۔وہ سب خود فادی سے زیادہ ڈر رہے تھے۔پورے گاؤں میں اس حویلی کے بارے میں طرح طرح کی باتیں مشہور تھی۔جو یہ سب بچپن سے سنتے آ رہے تھے۔جب سب نے اوپر جانے سے انکار کر دیا تو فادی نے اوپر اکیلے جانے کا فیصلہ کیا۔سب نے سوچا یہ تو اچھا ہوا یہ اکیلا جا رہا ہے۔اب اسے مزہ آئے گا۔تنویر نے باقی سب سے کہا بھی کہ اگر اسے کچھ ہو گیا تو کیا کریں گے۔مگر باقی سب نے اسکی نا سنی۔فادی اوپر اکیلا چلا گیا۔

فادی کو اوپر گئے ہوئے ابھی دو منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ فادی کی ایک زوردار چیخ پوری حویلی بھی گونجی۔نیچے سب ہنسنے لگے۔اب اس انگریز بابو کی طبعیت درست ہوئی۔نعمان نے اکڑ کر کہا۔ہمیں جا کر دیکھنا چاہیے۔تنویر نے ایک بار پھر سے حدشہ ظاہر کیا۔مگر سب نے کہا ابھی وہ خود بھاگتا ہوا نیچے آ جائے گا۔دو منٹ اور گزر گئے۔مگر نا فادی نیچے آیا اور نا ہی کوئی اور آواز آئی۔اب آہستہ آہستہ تنویر کے ساتھ ساتھ باقی دونوں کو بھی پریشانی ہونے لگی۔آخر ان تینوں نے فیصلہ کیا کہ اوپر جا کر فادی کو تلاش کیا جائے۔تینوں ڈرتے ڈرتے اوپری منزل میں پہنچ آئے۔وہاں سامنے فرش پر فادی کا ایک جوتا پڑا تھا۔یہ دیکھ کر تو وہ کانپنے لگے۔کیا فادی کو بھوت اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔تنویر نے دانت کپکپاتے ہوئے کہا۔

ایسا کچھ نہیں ہے۔ہو سکتا ہے اسکے پاس سے اتر گیا ہو۔شہباز نے سب کو اور جھوٹی تسلی دی۔کچھ آگے ہی بڑھے تھے کہ انہیں اسکا دوسرا جوتا بھی پڑا نظر آیا۔تو ایک بار پھر تنویر ڈرتے ہوئے بولا۔کیا یہ جوتا بھی خود اتر گیا ہوگا؟نہیں مجھے لگتا ہے اس نے خود ہی دونوں جوتے اتاریں ہوں گے۔اب کی بار نعمان نے کہا تو شہباز اور تنویر اسکا منہ دیکھنے لگے۔اب وہ مزید آگے بڑھتے کہ انہیں ایک عجیب سی آواز میں اپنے نام سنائی دیے۔سب نے ایک دوسرے سے کہا کہ کوئی پیچھے مڑ کر نا دیکھے۔نہیں تو بھوت جان سے مار دے گا۔

مگر آواز تھی کہ اونچی ہوتی چلی جا رہی تھی۔یوں محسوس ہو رہا تھا کہ آہستہ آہستہ آواز انکے پاس آتی چلی جا رہی ہے۔بس جب سب کو یہ احساس ہوا کہ بھوت انکے بہت قریب آ چکا ہے۔تو ان تینوں نے دوڑ لگا دی۔انکے جوتے اتر گئے مگر انہوں نے پیچھے مڑ کر نا دیکھا۔تینوں گھر کے دروازے پر پہنچ کر ہی رکے۔

اب گھر کے دروازے پر تو زندہ آ گئے تھے۔پر گھر میں سب سے کیا کہیں گے کہ فادی کہاں ہے۔تینوں ڈر گئے اور رونے لگے۔روتے روتے وہ گھر میں داخل ہوئے تو سب انکے ارد گرد جمع ہو گئے۔فادی کو نا پا کر اسکی امی بھی سخت پریشان ہوئی۔ان سے پوچھا تو روتے ہوئے سارا معاملہ انہوں نے بیان کر دیا۔فادی کی امی بھی رونے لگی۔اس وقت سارے ماموں گھر پر نا تھے۔وہ سب اس وقت اپنی دوکان پر تھے۔گاں میں ان کی بہت بڑی دوکان تھی اور تینوں ماموں مل کر اس دوکان پر کام کرتے تھے۔

بڑی ممانی نے فوراً سے بڑے ماموں کو فون کیا اور انہیں گھر آنے کے لیے کہا۔فادی کی امی فادی کو خود ڈھونڈنے جانا چاہ رہی تھی مگر ممانیوں نے انہیں روکے رکھا۔کچھ ہی دیر میں بڑے ماموں اور درمیانے ماموں گھر آ گئے۔انہیں سارا واقعہ سنایا تو وہ غصہ میں آگ بھگولا ہو گئے۔نعمان،شہباز اور تنویر کی اچھی خاصی بے عزتی کی۔فادی کی امی نے کہا کہ جلدی اسے ڈھونڈنے جائیں۔ابھی وہ گھر سے نکلتے کہ اتنے میں چھوٹے ماموں اور فادی گھر میں داخل ہو گئے۔فادی کو دیکھ کر سب کی جان میں جان آئی۔فادی نے سب سے پہلے نعمان،شہباز اور تنویر کے جوتے انکی طرف بڑھائے تو وہ ہکے بکے رہ گئے۔

باقی سب بھی سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔تب فادی نے بتایا کہ جب نعمان اور شہباز بے پرانی حویلی کا ذکر چھیڑا اور تنویر نے انہیں روکنے کی کوشش کی اس پر شہباز نے تنویر کو آنکھ ماری اور خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔تب ہی مجھے کچھ گڑ بڑ لگی۔پھر جب حویلی پہنچ کر شہباز نے مجھے پیچھے مڑ کر نا دیکھنے کا مشورہ دیا تو میں سمجھ گیا کہ یہ مجھے ڈرانا چاہتے ہیں۔اسی لیے میں نے جان بوجھ کر اوپری منزل پر جانے کا کہا مگر سب خود کتنا ڈر رہے تھے مجھے ان کے بہانوں سے اندازہ ہو گیا۔میں اوپر گیا اور ایک زوردار چیخ ماری۔

اس کے بعد اپنے دونوں جوتے اتار کر یہاں وہاں رکھ دیے۔جب یہ اوپر آئے اور انہوں نے میرے جوتے دیکھے تو یہ مزید ڈر گئے۔اور پھر مجھے شہباز کی کہی ہوئی بات سے ہی یہ ترکیب سوجھی کہ میں نے وہاں سے پاس پڑا ایک پرانا برتن اٹھایا اور برتن میں منہ کر کے عجیب آواز میں انکے نام پکارنے لگا۔برتن میں آواز اور بھی عجیب طرح سے نکلی کہ انہیں اپنی ہی کہی بات پر یقین آ گیا۔یہ تینوں دم دبا کر بھاگے اور اپنے جوتے بھی وہیں چھوڑ آئے۔میں نے انکے جوتے اٹھائے۔پہلے سوچا گھر آ جاں پھر خیال آیا کہ دوکان پر چلتا ہوں۔آس پاس سے پوچھتے پوچھتے دوکان پر پہنچا تو صرف چھوٹے ماموں ہی وہاں موجود تھے۔چھوٹے ماموں نے مجھے بتایا کہ گھر میں کوئی مسئلہ ہو گیا ہے تو بڑے اور درمیانے ماموں گھر گئے ہیں۔

میں نے انہیں کہا چلیں ہم بھی گھر چلتے ہیں۔

ساری کہانی راستے میں سناؤں گا۔فادی نے بات ختم کی تو سب ہنس ہنس کر گرنے لگے۔نعمان،شہباز اور تنویر کا منہ کھلا کا کھلا تھا۔فادی کی امی فادی کو ڈانٹنے لگی۔انہوں نے کہا جو بھی ہو تمہیں یوں انہیں ڈرانا نہیں چاہیے تھا۔اگر کسی کو کچھ ہو جاتا تو۔سب اس بات سے متفق تھے۔انہوں نے باقی تینوں کو اور بھی ڈانٹا کہ پہلے تو یہ انکا منصوبہ تھا فادی نے تو بس اس منصوبے کو عملی جامہ پہنایا تھا وہ بھی الٹا۔سب چاہ کر بھی اپنی ہنسی روک نہیں پا رہے تھے۔

وہ تینوں بے حد شرمندہ تھے۔انہوں نے فادی سے معافی مانگی اور فادی نے ان سے۔مگر جتنے بھی دن فادی لوگ وہاں رہے۔روز گھوم پھر کر انہیں یہ بات یاد آ ہی جاتی اور نعمان،شہباز اور تنویر کو شرمندہ ہونا پڑتا۔مگر باقی سب فادی سے یہ قصہ سن سن کر خود لطف اندوز ہوتے۔

آلِ برکت کی

”بکرا ملن“

مہوش خولہ راؤ

جاوید سنو بیٹے میرے پوتا پوتی دوسروں کے بکروں سے کھیل رہے ہیں بچے شکل دیکھ رہے کبھی اس چاچا کی کبھی اس چاچا کی آخر قربانی کے جانور کب لا گے۔ اماں اپنے گھر اتنے دن پہلے کب لاتے ہیں ہمیشہ جانور آخری وقت پر ہی آتا ہے۔ بیٹا بچے اب بڑے ہو رہے ہیں نہیں لاتے تو اب لے آ ان بالک) بچوں (کے دلوں میں جانور کی خدمت کے شوق جاگ گئے ہیں۔ جی جی ٹھیک ہے اماں لے آئیں گے۔ جاوید چاچا اک ٹرسٹ کے منتظمین میں سے تھے تو ذی الحجہ کے دس دن فلاحی ادارے کے لیے جانور خریدنے کی شدید مصروفیت ہوا کرتی تھی۔ اکثر لوگ اپنی پوری قربانی ادارے کے حوالے کرتے تھے کہ جانور خریدیں ذبح، تقسیم کریں عموما یہ پاکستانی مسلم کمیونٹی وہ ہوتی تھی جو غیر مسلم مما لک میں رہائش پذیر تھی۔ یا تو انکے لیے قربانی وہاں کرنا نہ ممکن تھی یا قربانی کا فیض اپنے ملک کو دینا چاہتے تھے۔ کچھ ایسے علاقائی لوگ بھی ہوتے تو جو چھوٹے جانور کی استطاعت نہ رکھتے تو بڑے جانور کا حصہ لے لیتے یہ قدرے آسان ہوتا۔

حصہ وصول کر گھر لے جاتے جانور کی خریداری ذبح تقسیم کا کام بڑے پیمانے پر ہوتا اسکے علاوہ لوگ جانور کی کھالیں ٹرسٹ کو عطیہ کرتے، تو ان کھالوں کو جمع کرنے کا کام بھی ہوا کرتا یہ سب محنت طلب کام تھا اس سارے چکر میں اپنا جانور خرید لانے میں دیر ہوتی۔ لیکن جانور منڈی میں جان پہچان اتنی ہو چکی ہوتی کہ ذاتی جانور عین ٹائم پر بھی آسانی سے خرید لیا جاتا تھا۔ بڑے تینوں تایا بے فکر ہوتے تھے کہ یہ کام جاوید چاچا کا ہے اور وہ اچھے طریقے سے نبٹا ہی لیں گے۔ چاروں بھائی قربانی ساتھ کرتے اگر کوئی استطاعت نہ بھی رکھتا تو مشترکہ قربانی سے محسوس نہ ہوتا۔ دو بکرے اور اک گائے لے لی جاتی تھی۔

جاوید چاچا اماں اور بچوں کی فرمائش جلد پوری کرنے کا وعدہ کر کے چلے گئے مگر مصروفیت میں بھول گئے واپسی پر جو بھتیجا بھتیجی نے خالی ہاتھ دیکھا تو پھر سے اماں کے سر ہو گئے، لگے کان کھانے اماں اماں چاچا نہیں لائے بکرا ایں ایں ایں بڑے بیٹوں کی سر چڑھی شرارتی اولاد راگ ٹھمری بھیرویں سب ہی چھیڑ بیٹھی۔ اماں مختلف طرح کے میوزک سے لطف اندوز ہونے کے بجائے تپ گئی چپ کرو بیوقوفو ”بات کرتی ہوں تمہارے چاچا سے بلا میرے کمرے میں“۔

جاوید چاچا کی دربار میں پیشی ہوئی اماں کی ڈانٹ سے کان سے خون نکلا تو بچوں سے سوال وجواب کا سیشن شروع کر کے کھسیاہٹ دور کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ بچوں مشورہ دو کیا لیں بکرا یا بقر چاچا بقر کیا ہے بچے سراپا سوال ہوئے۔ بقر عربی میں گائے کو کہتے ہیں اسی مناسبت سے ہم بڑی عید، عیدالاضحیٰ کو بقرعید بھی کہتے ہیں اچھا جی لیکن چاچا ہم تو بکرے کی مناسبت سے اسے بکرا عید کہنے لگے ہیں اونہوں بقرعید ہوتا ہے بکرا عید نہیں چاچا ہمیں بقر چاہیے سب بچوں نے ایک ساتھ کہا۔

گائے لاتے رہنا ابھی بکرا لا دو

جشن آزادی مبارک

انکے کھیلنے کو وہ کافی ہے۔ ہاں لے آئیں گے بچوں سے کچھ رائے لیں نا اچھا بچوں یہ بتائیں رنگ کیسا ہو بچے سوچ میں غرق ہوئے اور چاچا ان کا ذہن بٹنے پر خوش ہوئے۔

اوں ں ں چاچا پوری چٹی سفید رنگ کی ہو۔صہیب نے کہا اور عمر چاچا نے پھر سوال جڑ دیا عمر سوئیٹ سکسٹین جواب شرارتی جنید کی طرف سے آیا اگلے سوال سے پہلے ہی اماں ٹوک بیٹھیں کیا بنی اسرائیل کی طرح سوال پر سوال کر کے جان چھڑا رہے ہو۔ اماں یہ بنی اسرائیل کا کیا قصہ ہے حدیقہ بولی چاچا حدیقہ کو بتلانے لگے کہ یہ بنی اسرائیل اک قوم کا نام ہے یعقوب علیہ سلام کی اولاد ہے۔ جس پر اللہ نے نہایت انعام و اکرام کیے ہدایت کے لیے انبیا بھیجے آسمانی کتب بھیجیں من وسلوی دیا لیکن یہ نافرمان قوم تھی اللہ نے جب ان سے گائے کی قربانی کا مطالبہ کیا تو قربانی نا دینے کے لیے حیلے عذر تراشنے لگے اور لایعنی غیر ضروری سوال کرنے لگے اس لیے اماں نے میرے سوالات کا سلسلہ چلانے پر بنی اسرائیل کی مثال دی، اچھا ٹھیک ہے اماں اور بچوں اب میں چلتا ہوں انشا اللہ کل جانور آجائے گا۔

اور آنے والے کل واقعی جانور آ گیا۔ بکرا اپنے سابقہ خاندان سے بچھڑا ہوا تھا۔ پتہ نہیں اس کا خاندان انسانوں پر مشتمل تھا یا جانوروں پر مگر تھا تو خاندان نا۔ بکرے کی اداسی بچوں سے دیکھی نہ گئی، ہمارا بکرا کتنا ینگ ہینڈسم ہے سدرہ نے تبصرہ کیا اور اتنا ہٹا کٹا ہو کر بھی کتنا معصوم لگ رہا ہے۔ ہمارا بکرا اور اتنا معصوم نہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا انعم کی ایکٹنگ قابل دید تھی۔ دیکھتے دیکھتے سب بچے مبصرین بن گئے۔ اویس نے معصوم چہرہ اور خطرناک سینگوں والے بکرے کے سینگوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنا بیانیہ دیا ذرا پہلے آجاتے جگر تو ٹرینڈ کر دیتے آپ کو دور سے پہچانے جاتے کہ آل برکت کا بکرا ہے۔ تو اب کر دیں گے زبیر نے کہا۔ اسے چھت پر باندھ آ تائی اماں نے ہانک لگائی جی تائی اماں۔ بکرے میاں گڈ نائٹ کل ملیں گے۔ سب بچے اپنے اپنے ٹھکانوں پر سونے چلے گئے۔ ابھی نیند کی آغوش میں گئے ہوئے گھنٹہ بھر ہوا تھا کہ گیت پروگرام کانوں میں اترنے لگا کل بکرے کی غیر موجودگی کی وجہ سے تھا تو آج اس کی موجودگی کی وجہ سے تھا معصوم بکرے میاں گیت شروع کر کے ختم کرنا بھول گئے۔ بچے گہری نیند سے لڑتے کروٹیں بدلتے اٹھ بیٹھے جوں ہی اٹھے تو اٹھ بیٹھنے والوں نے انھیں کھڑا کیا۔ کل جو گیت چاچا کو سنا کر انہیں دکھ دیا آج اس دکھ کا اندازہ لگاتے ہوئے سیڑھیاں چڑھے بکرے میاں کان سے خون نکالنے پر کمر بستہ تھے بکرے کے پاس پہنچنے پر زبیر نے بکرے کو ڈپٹا یار بکرے لیٹ نائٹ میوزک پروگرام یہ شرفا کے طور طریقے نہیں بکرے میاں کی میں میں اک دم سے بند ہوئی جانے زبیر کی ڈانٹ سن کر یا بچوں کے جلوس نے تنہائی دور کر دی تھی۔

نیچے سے دادی اماں کی آواز آئی اسے نیچے لے آ بیچارے کا دل نہیں لگ رہا ہوگا اچھا تو ہوم سکنس فیل کر رہے ہو شہزادے !صہیب رسی کھول کر بکرے کو جلوس کے ہمراہ نیچے لے آئے۔ اماں کہاں باندھوں میرے کمرے میں باندھ دو اماں نے فیاضی دکھائی۔ اماں کے روم میٹ ہونے پر مبارک ہو بہت خوش نصیب ہے یہ، ہے نا اویس ! ہاں بالکل۔ بکرے کو اماں کے پلنگ سے باندھ دیا گیا۔ دوبارہ سونے کی تیاری پکڑی کچھ لمحات گزرے ہونگے کہ شور بلند ہوا اس دفعہ دادی اماں بکرے کے ساتھ سر ملا رہی تھیں جا کے دیکھا تو کیا معصوم بکرا اماں کے پلنگ کو پورے کمرے میں گھما رہا تھا جبکہ اماں رات کے ڈھائی بجے روم وزٹ پر تیار نہ تھیں۔

بکرے میاں مفت وزٹ کرانے پر بضد تھے۔ آل برکت کا قافلہ سر ہتھیلی پر رکھ کر بدحواسی میں اماں کے کمرے میں داخل ہوئے جو آنکھوں نے دیکھا اس منظر نامے کو کیا نام دیں خوفناک منظر انتہائی سنجیدہ نہیں نہیں غیر سنجیدہ منظر شاید خوشگوار منظر، قدرتی منظر، مزاحیہ منظر پس جو بھی تھا۔ بہت دلچسپ تھا۔ دل کہہ رہا تھا قہقہہ لگا مگر دل کے کہے کو نظر انداز کیا اگر اماں نے نوٹس لے لیا تو شامت یقینی تھی۔ بکرا کھول کر کمرے سے نکلنے لگے تو اماں کے ظرف کو دیکھ کر حیران رہ گئے بس اسے باندھے بغیر یہیں چھوڑ دو خود ہی اک کونے میں بیٹھ جائے گا۔ بڑھاپے کی کمزوری کی بنا پر اماں رات میں بار ہا بیت الخلا

بار ہا بیت الخلا کے چکر لگاتیں اماں واش روم اور بکرا اماں کے بستر پر اماں کی واپسی پر آنکھیں چار ہو گئیں معصوم بکرا بے تکلفی سے اماں کے بستر نیم دراز تھا اماں نے اک دفعہ پھر شور مچایا ہم پھر آ موجود اماں اپنی چھڑی سے اسے نیچے اترنے کا کہیں بکرا میں میں کیے جائے ٹس سے مس نہ ہو مراد ہو گی کہ میں یہیں لیٹوں گا بچے بکرے کی ڈھٹائی مظاہرے پر حیران پریشان چلو اترو اماں کے بستر سے سب نے مل کر زبردستی اتارا بکرا رس جانے والی بوتھی لے کر کھڑا ہو گیا جیسے کہہ رہا ہو مہمان کی اتنی بے عزتی؟

اب جو بچے بستر پر گئے تو چوکنا تھے کہ اب کیا ہوتا ہے اور وہی ہوا کہ کچھ ہو گیا۔اس شور میں پہلے ہونے والے ہر شور سے زیادہ خوفناکی تھی۔ اور واقعی سب نے دانت میں انگلیاں داب لیں معصوم بکرے کو پلنگ سے دست برداری منظور نہ تھی وہ پلنگ پر چڑھ گیا کچھ یوں کہ دادی اماں پلنگ پر چت لیٹی ہیں بکرا پچھلی دو ٹانگیں پائنتی پر رکھیں اور اگلی دو ٹانگیں اٹھائے پورے قد سے پلنگ پر کھڑا اپنے حق پلنگ کے لیے آواز اٹھانا چاہتا تھا شاید ڈائس مائیک کا منتظر تھا۔

میزبان پلنگ پر بکرا فرش پر نامنظور نامنظور بکرے کا مطالبہ واضح تھا کہ اماں نیچے اتریں اور اماں کا شور اتارو اس ناہنجار ناخلف کو ارے لالہ یہ ہم پر گرا کہ گرا (لالہ اماں کا تکیہ کلام تھا)۔ اماں نے بکرے کو اپنا پوتا سمجھ کر انہی لفظوں میں لتاڑا جن میں ہمیں لتاڑتی تھیں۔ہم سب سخت کنفیوژن کا شکار کہ پہلے کسے اتاریں اس معاملے سے خلاصی تو ہو گئی مگر یہ شب اسی طرح گزری گزرنے والی شب نے بتا دیا کہ بکرا سب کچھ ہے مگر معصوم نہیں ہے۔

اس موقع پر اک شعر ہو جائے اویس صاحب پر آمد ہو چلی تھی۔بکرا مہمان ہے انسان نہیں ہے بکرے کی خدمت آسان نہیں ہے واہ واہ بہت خوب سب نے سر دھنے کیا شعر تیار ہوا ہے۔

عبدلاول: مجھے بھی آمد ہو رہی ہے! تمہاری نظر نے اسے خاص بنا دیا بکرے کی محبت نے تمہیں شاعر بنا دیا ارے واہ ظالم مار ڈالا اگلے تین دن بکرے کی سرگرمیاں کچھ یہی رہیں۔قربانی کا دن آنے تک امی کا کھیت (گملے) اجڑ چکا تھا۔اک آدھ تو بکرے میاں نے لات مار کر ملکِ عدم پہنچا دیا تھا۔بکرے کی تنہائی کا پھر بھی بھرپور خیال رکھا گیا اور چھت پر باندھنے سے گریز کیا ویسے بھی بکرے میاں کا کیا بھروسہ چھت کی چار دیواری چھوٹی تھی اس پر چڑھ کر ڈسکو ڈانس پیش کرتے یا چھلانگ لگانے کا پلان بنا لیتے۔بہرحال بکرے کو دوسری منزل کے زینے پر باندھ دیا یہاں بکرے نے زینے کی گرل پر چڑھنے کا شوق پورا کیا اور تو اور گھر کی وہ لڑکیاں جنھیں صرف ذبح شدہ بکرے سے دلچسپی تھی زندہ بکرا جن کیلیے خوف و دہشت کی علامت تھا تو شاید پہنچے ہوئے بکرے نے یہ بھانپ لیا اور اپنے لیے انٹرٹینمنٹ ڈھونڈ لی تھی زینے چڑھتی اترتی لڑکیوں کو یرغمال بنائے رکھا۔لڑکے چڑھیں اتریں کوئی مسئلہ نہیں انھیں دیکھ کر بکرے میاں بیٹھے رہتے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتے جیسے ہی لڑکیاں اترتی چڑھتی دکھائی دیتیں اپنا آرام چھوڑ چھاڑ کھڑے ہو جاتے سینگ دکھا دکھا کر ہراساں کرتے سوائے حدیقہ کے تمام لڑکیاں بکرے سے شدید مرعوب ہو چکیں تھیں۔لڑکیاں بھی تو غلط ہیں نا ذبح شدہ بکرے سے اتنی دلچسپی کہ مختلف ڈشز کی یہ لمبی لمبی لسٹیں بنائیں ہوئیں کہ یہ پکائیں گی اور یہ بھی، قورمہ بھی، تو حلیم بھی، کوئلہ کڑاہی بھی، تو چرسی کڑاہی بھی کیوں میرے چچا زاد بھائیوں عبیداللہ نے اظہار خیال کیا سب کزنز لڑکے اس سے متفق تھے۔

عبدلاول نے تو موقع مناسبت سے شعر بھی تیار کر لیا عرض کیا ہے جلال بکرے کے اتنے چسکیز ندہ بکرے کے سینگ کے دھڑ کیا رے واہ کمال ہے مابدولت شعر کے قافیے ترتیب وزن میں الجھے ہوئے تھے کہ اک زوردار دھاکہ سماعت نے سنا۔

اوئی اماں یہ کیا ہوا ہے کہیں فیملی سے جدائی پر بکرے نے دلبرداشتہ ہو کر گرل سے چھلانگ تو نہیں لگا دی لیکن بکرا دل برداشتہ نہیں زندہ دل تھا زینے پر موجود گیزر کی لاش گرا کر اس پر فاتحانہ کھڑے نظر

آئے ہاں ہاں زندہ دلی اسی کا تو نام ہے زندہ دل بکرا گیزر پر اک ٹانگ رکھے یوں کھڑا جیسے شکاری شیر کی مردہ لاش پر اک پاؤں رکھ کر فخریہ فوٹو بنوا رہا ہو۔ "جیتے رہو میاں بکرے ! کس ماں نے یہ نڈر بیخوف لعل جنم دیا ہے، میں اس ماں سے ملنا چاہوں گا " زبیر نے عظیم خواہش کا اظہار کیا ساتھ فرمایا "میرے چچا زاد بھائیوں میں اور آپ اس پر مسرت موقع پر اعتراف کرتے ہیں کہ اپنا پارٹنر اونچی شئے ہے"

بے شک بیشک" سب نے کورس میں کہا، بالکل ہم پر گیا ہے شرارتیں کرتا ہے اور چہرہ ہماری طرح معصوم رکھتا ہے"۔ زبیر نے مذید فرمانے کا سلسلہ جوڑا "میرے بھائیو ! اس تخریب کار نے جب سے گھر میں قدم رنجہ فرمایا ہے ہم مستقل حیرتوں کے جہاں میں ہیں۔ ہر سین پہلے سے زیادہ ورطہ حیرت میں ڈالنے والا ہوتا ہے"۔ زبیر اور سب ساتھی اپنی حیرت میں ڈوب کر جو ابھرے تو بکرے کو اسی اعزازی پوزیشن میں پایا۔ لگتا ہے جاوید چاچا میاں بکرے ٹرافی لیے بغیر گیزر سے نیچے اترنے والے نہیں لگ رہے۔ اعزازی تقریب کا حقدار ہے بھئی ہمارا بکرا لیکن پہلے ان یادگار لمحات کی عکسبندی ضروری ہے اسکے ساتھ ہی سب کے موبائل کیمرے آن اور دھڑا دھڑ فلیش چمکنے لگے۔ یوم عرفہ جب ڈھلا تو بکرے اور لڑکیوں دونوں کے مہندی لگنے لگی رات سہانی تھی بادل گھر آئے اور بارش ہونے لگی دہری خوشی کے ساتھ عید کے دن کو سوچتے ہوئے گہری نیند میں اتر گئے۔ صبح نماز فجر سے پہلے بیدار ہوئے ہم سب چچا زاد غسل خانوں کے آگے لائن بنا کر کھڑے ہو گئے غسل خانے تو تین تھے مگر آبادی زیادہ ہونے کی بنا پر لائن طویل تھی پہلے آیئے پہلے پایئے کے مصداق داخلہ نمبرز تھے اور ہم جناب کی گزر بسر اس مصرعہ کے عین مطابق "ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں"، نویں نمبر پر غسل خانے سے فائدہ اٹھایا اپنے انتظار کی کوفت کا بدلہ دسویں نمبر والے سے لے کر نکلے تو کیا لگ رہے تھے ہم۔

تبت کریم چہرے پر رگڑی بال جیل سے جما عطر میں نہا کر جو آئینہ کے روبرو ہوئے تو قسمے خود پر اتنا پیار آیا پچیس تیس سلفیاں لے ڈالیں۔ عیدگاہ سے واپسی پر فوراً برکت خاندان کے مردوں لڑکوں بچوں نے پرانے کپڑے شارٹس ٹی شرٹ زیب تن کیے سنت ابراہیمی کے لیے سب چوکس تھے ذرا کوئی آپس میں گفتگو میں مصروف ہوئے ہونگے بکرے میاں کھلی رسی تاڑ کے مٹر گشت پر نکل گئے دوسری منزل سے برآمد ہوئے گھر کی سب سے بزدل لڑکی بشریٰ کے روبرو کھڑا تھا وہ دیوار سے چپکی کھڑی تھی جبکہ بکرے نے منہ سے منہ ملا رکھا تھا بشریٰ نے چیخوں کے ساتھ آنکھ بند رکھی منہ کھلا چھوڑا بکرے کے غور و فکر کے سلسلے کو بریک ہمارے آنے سے لگی دوبارہ صحن میں لائے اور ابراہیم علیہ السلام کی سنت ادا کی بکرے کی کھال اتارنے کا مرحلہ آیا تو گرل سے باندھ زبیر، صہیب چاچا کے ساتھ آگے بڑھے جیسے ہی بکرے کو ہاتھ لگایا تو زوردار کرنٹ لگا ایں اتنی جی داری ذبح ہو کر بھی کرنٹ مار رہا ہے ارے پاگل ہوئے ہو کیا لڑکیوں کی طرح تم لوگ بھی مرعوب ہو گئے یہ کہتے ساتھ چاچا نے ہاتھ لگایا اور فوراً کھینچا ہاں یار واقعی یہ تو کرنٹ مار رہا ہے غور کیا تو معلوم ہوا رات بارش کا پانی بجلی بورڈ میں گیا جو گرل سے نزدیک کرنٹ بورڈ سے گرل میں اور گرل سے منتقل ہو کر بکرے میں جب بکرا گرل سے باندھا تو لائٹ نہ تھی اب تھی تو کرنٹ بھی تھا۔

سب اس واقعے سے بھی خوب محظوظ ہوئے۔ کلیجی سے ناشتے کے بعد رات میں کی جانے والی تکہ پارٹی کی تیاری شروع کی گوشت کی کٹنگ مصالحے لگا کر چولہے چھت پر سیٹ کر کے سو گئے۔ شام میں تیار شیار ہو کر کوئلے دہکائے سیخوں پر بوٹیاں چڑھا کر بھونی جو تکہ بھوننے میں ماہر انھیں کام پر لگایا پکانے والے پکا پکا کر ست کھانے والے البتہ چست ہی رہے جوں ہی سیخوں سے بوٹیاں اترتیں فوجیں حملہ آور ہو جاتیں بوٹیاں مکمل سینکتیں بھی نہیں کہ ہڑپ کرنے کے لیے مورچے سنبھال لیے جاتے۔

"انسان ہو کہ ڈریکولا کی اولاد؟" جاوید چاچا مزاحیہ بولے "تمہارا بس چلتا زندہ سلامت بکرے کے دانت گاڑ دیتے"، ایسا بھی نہیں جاوید چاچا لیکن "وی لو سو مچ میٹ"، پتہ نہیں کون لوگ ہوتے ہیں جو اس غذا کو پسند نہیں کرتے بڑے کوئی محروم لوگ ہیں کیسی لذیذ غذا اللہ نے ہم پر حلال کی۔

ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بکرے کا دستی حصہ مرغوب تھا ہاں بالکل صائمہ آپا بولیں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کبھی کبھی بھون کر بھی کھایا لیکن زیادہ تر شوربہ رکھ کر تناول فرمایا تاکہ زیادہ لوگ اس کھانے سے لطف بھی اٹھائیں اور صحت کے مسائل بھی نہ ہوں جی جی ایسا ہی ہے اتنے میں دانش کی بلند آواز مائیکرو مائک میں گونجی تقریب کی رونق بڑھانے کے لیے شعر عرض ہے

کل بقرعید کی رات تھی شب بھر رہا چرچا تیرا کسی نے کہا دستی میری کسی نے کہا کلیجہ میرا

واہ واہ واہ سائیں واہ مسلم نے داد کے ڈونگروں کے ساتھ شعر کہنے کی اجازت لی۔

اک شعر ہم بھی کہے دیتے ہیں!

تکے اچھے بناتے سہیل بھائی مگر
پاگل بنانے میں انکا کوئی ثانی نہیں

☆☆☆☆

"پانی ایک عظیم نعمت"

بنت ایوب مریم

کھٹ کھٹ کھٹ۔۔۔

پانی ختم ہوگیا ہے! پھر موٹر آن کرو بیٹا !اس طرح غسل خانے میں بولتے نہیں ہیں۔ سعد نے نہانے کے دوران پانی ختم ہوجانے پر غسل خانے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ساجدہ نے کام کرتے ہوئے کچن سے ہی مسئلے کا حل بتانے کے ساتھ غسل خانے میں نہ بولنے کی تلقین کی۔ بجلی بھی نہیں ہے! کھٹ کھٹ کھٹ۔۔۔ سعد اب پھر سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ جی بیٹا بولیں !ساجدہ بیگم کام چھوڑ کر باہر آئیں۔ امی !پانی ختم ہوگیا ہے اور بجلی بھی نہیں۔ سعد نے منہ بناتے ہوئے مزید اضافہ کیا کہ اس نے پورے جسم پر صابن لگا رکھا ہے۔

اُف میرے خدایا !یہ بجلی ی ی اور پانی بھی نہیں ہے! ساجدہ منہ میں بڑبڑائی اور بیٹے کو پانی کی جلد فراہمی کا کہہ کر فلٹر پانی کے کین سے پانی مہیا کرنے لگی۔ سعد کے نہانے میں پانی کا ایک مکمل کین صرف ہو چکا تھا۔ پانی کی مزید ضرورت کے تحت ساجدہ نے سعد کو پانی لینے کے لئے پڑوس میں بھیجا کہ بجلی آئے گی تو ہم بھی ٹینکی بھر لیں گے۔ ہائے !امی پکڑلو !بہت بھاری ہے!

سعد پانی کی بالٹی ہاتھ میں تھامے گیٹ سے ہی منہ کے الٹے سیدھے زاویے بناتا آ رہا تھا۔ ساجدہ نے آگے بڑھ کر نو سالہ سعد سے پانی کی بالٹی پکڑی تو ترس اور پیار سے ماتھا چومتے ہوئے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ جس پر سعد ناراض ہوتے ہوئے پیچھا ہٹ گیا۔ میرا پیارا بیٹا !اماں سے ناراض ہوگیا؟ ساجدہ سعد کے پیچھے لپکی تو وہ صحن میں بچھی چار پائیوں کے گرد چکر کاٹنے لگا۔ یہ ناراضگی اب دلچسپ کھیل پکڑن پکڑائی میں بدل چکی تھی۔

آخر ساجدہ نے اسے پکڑ کر پیار کیا۔ ماتھے پر بوسہ دے کر قریب بٹھایا تو خود ہی گویا ہوا: اماں جی !پانی ختم ہونے پر کتنی پریشانی ہورہی ہے ناں جی بیٹا !یہ واقعی پریشانی کی بات ہے، کیونکہ زیادہ تر کام پانی ہی کے مرہون منت ہیں۔ پانی اٹھا کر لانا بھی کتنا مشکل ہے !دیکھیں میرے دونوں ہاتھ، کہہ کر سعد نے اپنے ننھے ہاتھ ساجدہ کے آگے کئے۔ اوہو !بیٹا جلد ٹھیک ہو جائیں گے، ساجدہ سعد کے ہاتھ گود میں رکھ کر اس کی ہتھیلی پر اپنے ہاتھ پھیرنے لگی۔ بیٹا !پرانے زمانے میں گھروں میں موٹریں نہیں ہوتی تھیں۔

پانی کے لئے گاں کے سارے لوگ دور دراز کنویں پر جاتے تھے۔ اس کے بعد نلکوں کا رواج آیا تو گاں کے ایک دو گھروں میں نلکے ہوتے جہاں سے سب پانی بھر لیا کرتے۔ وہ تو کتنا مشکل وقت ہوگا ناں اماں، سعد نے استفہامیہ انداز سے ساجدہ کی طرف دیکھا۔

نہیں بیٹا وہ مشکل وقت نہیں تھا کیونکہ لوگ عادی تھے لیکن ہاں موٹروں کے آنے سے گھر گھر پانی کی دستیابی سے سہولت ضرور ہوگئی تھی۔

شکر ہے اماں !ہمارے گھر موٹر لگ گئی، ورنہ میں اتنی دور سے پانی نہیں لا سکتا تھا۔ سعد سے یہ بات سن کر ساجدہ کو بیٹے کی معصومیت پر پیار آ گیا۔

لیکن بیٹا پرانے وقتوں میں پانی مشکل سے دستیاب ہوتا تھا تو لوگ ضائع نہیں کرتے تھے جبکہ ہم پانی کا بہت ضیاع کرتے ہیں جو کہ گناہ ہے۔

جی اماں ہماری ٹیچر بھی بتا رہی تھیں کہ ہمارے پیارے نبی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگر تم بہتی نہر پر وضو کرو، تب بھی پانی ضائع نہ کرو" اور اماں آپ کو پتا ہے اب میں پانی ضائع نہیں کرتا، ہلکی سی ٹونٹی چلا کر ہی وضو کر لیتا ہوں۔ سعد داد بھری نگاہوں سے ساجدہ کو دیکھتے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔

ماشااللہ ماشااللہ !میرا بیٹا تو بہت سمجھدار ہے پھر۔ اتنے میں موٹر چلنے کی آواز آئی۔

بجلی آ گئی !دونوں نے مڑ کر آواز کی سمت دیکھا تو سعد کے ابو کھڑے تھے۔ بیٹا عصر کا وقت ہوگیا ہے۔ آ پانی جیسی عظیم نعمت پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ اور دونوں باپ بیٹا وضو کر کے مسجد کو چل دیے۔

جشن آزادی مبارک

بھائی جان سے پوچھیے

"شاہینو! آپ کا بھائی جان بہت ہی فارغ، بے کار بیٹھا بور ہو رہا ہے۔ آپ اسے اپنے شرارتی سوالات سے جتنا تنگ کر سکتے ہیں کریں۔ سوالات کو پن پر لکھ کر بھیجیں اور بھائی جان کی ناک میں دم کر کے رکھ دیں۔"

سوال: گدھے کے سینگ کیوں نہیں ہوتے؟
بھائی جان: کیونکہ سینگوں کا کام وہ ٹانگوں سے لیتا ہے۔
(ارسلان احمد، پشاور)

☆☆☆

سوال: بھائی جان! میں نے سنا ہے کہ آپ پاگل ہے؟ یہ سچ ہے؟
بھائی جان: میں پاگل نہیں ھوں کہ اس کا جواب دوں۔
(صہیب سکندر، خیبر)

☆☆☆

سوال: بھائی جان! آپ کا سر کیوں گنجا ہے؟
بھائی جان۔ یہ تو آپ سر سے پوچھیں۔
(عرفان خان، دیراپر)

☆☆☆

سوال: کیا قائد اعظم ابھی تک زندہ ہے؟
بھائی جان: بالکل ہمارے دلوں میں۔
(امان اللہ خان، مانسہرہ)

☆☆☆

سوال: بھائی جان! بزم شاہین کو بزم شاہین کیوں کہا جاتا ہے؟
بھائی جان: کیونکہ یہ شاہینوں کی محفل ہے۔
(ارسلان خلیل، خیبر)

☆☆☆

سوال: جو ئے بائیڈن شیطان کا کیا لگتا ہے؟
بھائی جان: ایک شیطان دوسرے شیطان کا بھائی ہوتا ہے۔
(فرقان قریشی، لنڈیکوتل)

☆☆☆

سوال: بھائی جان! میں اتنا شریف کیوں ہوں؟
بھائی جان: کیونکہ آپ شاہین ڈائجسٹ پڑھتے ہیں۔
(خالد رحمان، نوشہرہ)

☆☆☆

سوال: بھائی جان! آپ کے کتنے دانت ہیں؟
بھائی جان: ایک ہزار بتیس منفی ایک ہزار۔
(شیراز حسین، پشاور)

☆☆☆

سوال: بھائی جان! پاکستان میں ہر دن کتنی شادیاں ہوتی ہیں؟
بھائی جان: بیٹا! آپ کی باری آنے میں بہت ٹائم ہے۔
(اعظم خان عثمانی، شانگلہ)

☆☆☆

سوال: بھائی جان! آپ اور تم میں کیا فرق ہے؟
بھائی جان: وہ جو میرے اور تم میں ہے۔
(محمد سعد، بنوں)

☆☆☆

سوال: بھائی جان! آپ کا پورا نام کیا ہے؟
بھائی جان: بھائی جان۔۔۔۔۔۔
(ادریس ارسلان، سوات)

☆☆☆

سوال: بھائی جان! آپ کا اصل نام کیا ہے؟
بھائی جان: اصل اور نقل کسے کہتے ہیں؟ ایک ہی نام ہوتا ہے۔ میرا نام بھائی جان ہے۔
(نور الامان آفریدی، باڑہ)

☆☆☆

سوال: روسی اور امریکی فوجی افغانستان میں کس لیے آئے تھے؟
بھائی جان: مقدس مقامات کی زیارت کیلئے۔۔۔۔ جیسے دوزخ وغیرہ۔
(وصال شینواری، خیبر)

☆☆☆

سوال: بھائی جان! آپ کا نام کیا ہے؟
بھائی جان: ہمرا نام۔۔۔۔۔ ہمرا نام ہے۔۔۔ بھاااائی جاااااااااااان ن ن ن ن ن ن ن۔۔
(وصال احمد خان، چارسدہ)

☆☆☆

سوال: آپ گدھوں کو کیوں پسند کرتے ہیں؟
بھائی جان: پسند نہ کروں تو سوالات پہ سوالات کا سلسلہ ختم۔
(مصباح الحق، اکبر پورہ)

☆☆☆

سوال: سنا ہے آج کل آپ شکار کر رہے ہیں؟
بھائی جان: جی ہاں؟ مچھروں کی یلغار کا اور کوئی علاج تو ہے نہیں۔
(ہارون رشید، درہ آدم خیل)

☆☆☆

سوال: بھائی جان! مجھے آسمان پر چڑھنا تو سکھائیں؟
بھائی جان: پہلے زمین پر چلنا سیکھ لیں۔
(ملک حذیفہ، کوہستان)

☆☆☆

جشن آزادی مبارک

پاکستان کے تاریخی مقامات

اسفند یار خان

اگرچہ پاکستان کو وجود میں آئے ابھی صرف 74 سال ہو چکے ہیں تاہم یہ علاقہ پچھلے ہزاروں سال سے مختلف تہذیبوں اور مذاہب کا گہوارہ رہ چکا ہے۔ حضرت عیسی علیہ السلام کی ولادت سے ہزاروں برس قبل یہاں ایک تہذیب نے جنم لیا جسے دنیا وادء سندھ کی تہذیب کے نام سے جانتی ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں جب آریا، یونانی، عرب، ترک، افغان اور مغل ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تو ان کا پہلا پڑاؤ ہمیشہ موجودہ پاکستان کی سرزمین ہی ٹھہرا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ہڑپہ، موہنجوداڑو اور ٹیکسلا کے کھنڈرات کے علاوہ سینکڑوں سال پرانی ایسی شاندار عمارات بھی موجود ہیں جو آج تک پوری آب و تاب کے ساتھ کھڑی ہیں۔

ذیل میں ہم پاکستان کے چند اہم تاریخی مقامات کا ذکر کرتے ہیں۔

ہڑپہ اور موہنجودڑو

ماہرین کا کہنا ہے کہ جب اہرام مصر کا وجود نہیں تھا تب بھی وادی سندھ کی تہذیب نہ صرف اپنے عروج پر تھی بلکہ یہاں ایک ترقی یافتہ معاشرہ موجود تھا۔ 1920 میں ماہرین آثار قدیمہ نے ہڑپہ اور موہنجو دڑو میں باقاعدہ کھدائیاں کیں تو وادی سندھ کی قدیم تہذیب سے پردہ اٹھ گیا۔

لاڑکانہ (سندھ) میں واقع موہنجودڑو اس تہذیب کا سب سے بڑا شہر تھا۔ یونیسکو کے عالمی ثقافتی ورثے کا درجہ رکھنے والے اس شہر میں ایسے بڑے سوئمنگ پول کے آثار ملے ہیں جس کی چنائی پختہ اینٹوں سے کی گئی تھی اور اس کے ارد گرد کپڑے بدلنے کے کمرے بھی موجود تھے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ کس قدر صفائی پسند تھے۔ یہاں سے ملنے والے کتبوں، تصاویر اور سکوں پر کندہ رسم الخط ماہرین کے لیے آج بھی ایک معمہ ہے۔ گھروں سے ملنے والی اشیا میں مورتیاں، مالائیں، زیورات اور برتن شامل تھے۔ شہر میں امرا اور غریب دونوں طبقے موجود تھے لیکن یہ بات حیران کن ہے

جشن آزادی مبارک

کہ وہاں عبادت گاہیں نہیں تھیں اور نہ ہی کسی حکمران کے محل کے نشانات ملے ہیں۔ یہاں بہت معمولی ہتھیار ملے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ یہاں کے لوگ پرامن تھے اور بقائے باہمی کے قائل تھے۔ ساہیوال (پنجاب) میں واقع ہڑپہ سے ایسی مہریں ملی ہیں جن سے یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ یہاں تجارت کا ایک باقاعدہ نظام تھا جو پیسے کی بجائے جنس کے بدلے جنس پر مبنی تھا اور یہ تجارتی روابط میسوپوٹامیہ تک کے علاقوں سے استوار تھے۔ میسوپوٹامیہ کے شہر ار سے ملنے والی مالائیں، برتن اور ہتھیار ویسے ہی ہیں جو ہڑپہ سے ملے ہیں۔ سندھ کی تہذیب کے شہروں میں جو چیزیں کثرت سے ملی ہیں ان میں زیورات شامل ہیں جو یہاں کے لوگوں کے فیشن سے محبت کے عکاس ہیں، جبکہ کپاس کو رنگ کرنے کے کارخانے بھی موجود تھے۔

☆☆☆

ٹیکسلا

پاکستان میں کئی تاریخی مقامات کا تعلق قدیم تہذیبوں سے ہے اور ٹیکسلا کا شہر بھی ان میں سے ایک ہے۔ اس شہر کی بنیاد 1000 قبل مسیح میں رکھی گئی تھی، اگرچہ بعض کھنڈرات کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا تعلق 3360 قبل مسیح سے ہے۔

ٹیکسلا یونیورسٹی دنیا کی قدیم ترین جامعات میں سے ایک تھی تاہم اس کی یہ حیثیت ماہرین کے مطابق متنازع ہے۔ 1980 میں اس پورے شہر کو یونیسکو کا عالمی ثقافتی ورثہ قرار دیا گیا۔ ٹیکسلا سے مراد صرف ایک شہر نہیں بلکہ ایک درجن سے زیادہ قدیم ڈھانچے ہیں جن میں ایک غار، سٹوپے اور خانقاہیں ایک وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ٹیکسلا کے کھنڈرات کے قریب ایک عجائب گھر بھی ہے۔ اسلام آباد سے قربت (32 کلومیٹر) کی بنا پر ٹیکسلا پاکستان کے مقبول ترین تاریخی مقامات میں سے ایک ہے۔ 326 ق م میں سکندر اعظم نے اس شہر پر قبضہ کیا اور یہاں کئی دن ٹھہرا۔ یہیں راجا امبھی نے سکندر کی اطاعت قبول کی، جس کے بعد سکندر راجا پورس سے لڑنے کے لیے جہلم کے کنارے پہنچا۔ باختر کے یونانی حکمران دیمریس نے گندھارا کا علاقہ فتح کر کے ٹیکسلا کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ مہاراجا اشوک کے عہد میں بھی اس شہر کی رونقیں پورے عروج پر تھیں اور یہ بدھ مت تعلیم کا مرکز تھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں مشہور چینی سیاح ہیون سانگ یہاں آیا تھا۔ اس نے اپنے سفر نامے میں اس شہر کی عظمت و شوکت کا ذکر کیا ہے۔

یہاں ایک عجائب گھر ہے، جس میں پانچویں صدی قبل مسیح کے گندھارا آرٹ کے نمونے، دس ہزار سکے (جن میں بعض یونانی دور کے ہیں) زیورات، ظروف اور دیگر نوادرات رکھے گئے ہیں۔

☆☆☆

مسجد وزیر خان لاہور

لاہور میں تاریخی مقامات کی تعداد بہت زیادہ ہے جن کی ایک الگ فہرست بنائی جا سکتی ہے۔ مسجد وزیر خان اگرچہ بیگم شاہی مسجد سے متاثر ہو کر بنائی گئی ہے اور دونوں کے درمیان کافی مماثلت ہے، تاہم نسبتاً بڑی اور زیادہ رنگین مسجد ہے۔ اس مسجد کی تعمیر شہنشاہ شاہجہان کے حکم پر شروع ہوئی جو 1641 میں مکمل ہوئی۔ ناقابل یقین فریسکو اور ٹائل کا کام اس مسجد کے ہر مربع انچ کو کور کیے ہوئے ہے۔ لاہور کے دہلی گیٹ سے داخل ہونے کے بعد چند سو میٹر کے فاصلے پر وزیر خان مسجد کو دیکھا جا سکتا ہے۔

تخت بھائی

تخت بھائی پشاور سے تقریباً 80 کلومیٹر کے فاصلے پر مردان میں واقع بدھ تہذیب کے عروج کے کھنڈرات پر مشتمل ایک یادگار ہے، جو کہ پہلی صدی قبل مسیح کے عہد کے ہیں۔ اس مقام کو تخت قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک پہاڑی پر واقع ہے جبکہ اس کے ساتھ ایک دریا بہتا تھا جس کی وجہ سے تخت کے ساتھ "بھائی" لگا دیا گیا۔ یہاں موجود بدھ کمپلیکس چار اہم بدھ گروپس میں تقسیم تھا، پہلا اسٹوپا، دوسرا راہبوں کی خانقاہ، تیسرا مندر اور چوتھا تنتری راہبوں کی خانقاہ پر مشتمل تھا، اس جگہ کی تاریخی اہمیت کو دیکھتے ہوئے یونیسکو نے 1980 میں اسے عالمی ثقافتی ورثہ قرار دیا تھا۔

جشن آزادی مبارک

بیگم شاہی مسجد

مساجد کی ماں کے نام سے جانی جانے والی بیگم شاہی مسجد مغل شہنشاہ جہانگیر کے حکم پر 1611 اور 1614 کے درمیان تعمیر کروائی گئی۔ یہ مسجد اس نے اپنی ماں مریم زمانی کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے بنوائی تھی۔ یہ چھوٹی مسجد شاہی قلعہ لاہور کے راستے میں واقع ہے اور لاہور کے پرانے تاریخی مقامات میں سے ایک ہے۔ درحقیقت یہ مغل دور کی سب سے پرانی عمارت ہے۔ بیگم شاہی مسجد کے ڈیزائن سے متاثر ہو کر ہی چند دہائیاں بعد وزیر خان مسجد بنائی گئی۔ چار سو سال سے زیادہ پرانے فریسکوز اور جیومیٹرکل سجاوٹ سے مزین یہ مسجد فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

☆☆☆

لاہور کا شاہی قلعہ

شاہی قلعے کے بارے میں اگرچہ کہا جاتا ہے کہ کئی ہزار سال سے قائم ہے تاہم سترھویں صدی میں اس کو دوبارہ تعمیر کروایا گیا۔ اس قلعے میں بعض تعمیرات مثلاً پکچر وال شہنشاہ جہانگیر کے دور میں ہوئیں جبکہ شیش محل شاہجہان کے دور میں تعمیر کروایا گیا۔ یہ قلعہ 20 ایکڑ سے زیادہ رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔

قلعہ روہتاس

فوجی فن تعمیر کا نمائندہ قلعہ روہتاس جہلم شہر سے 15 کلومیٹر دور واقع ہے۔ اس قلعہ کی تعمیر 1541 میں پشتون بادشاہ شیر شاہ سوری کے دور میں شروع ہوئی۔ روہتاس قلعہ 70 ایکڑ سے زیادہ رقبے پر پھیلا ہوا ہے جو جنوبی ایشیا کے بڑے قلعوں میں سے ایک ہے۔ پوٹھوہار کے پتھریلے سطح مرتفع پر یہ حیرت انگیز قلعہ شیر شاہ سوری نے تعمیر کرایا تھا جو پنجاب کے ضلع جہلم سے سولہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، یہ مسلم فوجی فن تعمیر کا حیرت انگیز شاہکار ہے۔ اس کی تعمیر میں ترک اور ہندوستانی فن تعمیر کا امتزاج نظر آتا ہے اور یہ ایک چھوٹی پہاڑی پر فوجی نقطہ نظر کے تحت تعمیر کیا تھا تاکہ ہر وقت بغاوت کے لیے تیار رہنے والے گکھڑ برادری کو کنٹرول میں رکھا جا سکے۔ یونیسکو نے 1997 میں اس مقام کو عالمی ثقافتی ورثہ میں شامل کرنے کا اعلان کیا تھا۔

☆☆☆

ہرن مینار

سیاحتی نقطہ نظر سے ہرن مینار پاکستان کی مقبول ترین تاریخی جگہ ہے۔ یہ درحقیقت ایک مقبرہ ہے لیکن دوسرے مقابر سے مختلف ہے۔ یہ شہنشاہ جہانگیر کی پالتو ہرن کا مقبرہ ہے۔ یہ لاہور شہر سے باہر شیخوپورہ میں ہے جو اس زمانے میں ایک ویران جگہ تھی۔ اس کمپلیکس میں ایک مینار، ایک بڑا تالاب اور ایک پویلین ہے۔

☆☆☆

رانی کوٹ کا قلعہ

رانی کوٹ کا قلعہ سندھ کے تاریخی مقامات میں سے ایک ہے جسے دنیا کا سب سے بڑا قلعہ سمجھا جاتا ہے۔ اسے عظیم دیوار سندھ بھی کہا جاتا ہے۔ دوسرے بہت سے پاکستانی قلعوں کی طرح رانی کوٹ کی صحیح تاریخ تعمیر اور اس کے معماروں کا پتہ معلوم نہیں۔ تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ اس کی پہلی بار تعمیر سترھویں صدی میں ہوئی جبکہ 1812 میں سندھ کے تالپور حکمرانوں نے اسے دوبارہ تعمیر کروایا۔ رانی کوٹ کا قلعہ حیدرآباد شہر سے تقریباً 90 کلومیٹر کے فاصلے پر سن قصبے کے قریب واقع ہے۔ 26 کلومیٹر رقبے پر پھیلا ہوا یہ دنیا کا سب سے بڑا قلعہ ہے، مگر اس کے باوجود حکام یہاں سیاحت کو فروغ دینے میں ناکام رہے ہیں۔

☆☆☆

مقبرہ جہانگیر

جہانگیر کا مقبرہ لاہور کے نواح میں واقع ہے۔ اس مقبرے کو تعمیر کرنے میں دس سال لگے 1637 میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ مقبرے کی دیواریں inlaid سنگ مرمر اور حیرت انگیز پھولدار فریسکوز سے مزین ہیں اور اس کے اردگرد سرسبز باغ ہیں۔ 12 بلتت قلعہ: کریم آباد ہنزہ کے قریب واقع بلتت قلعے کی بنیاد آٹھویں صدی عیسوی میں رکھ دی گئی تھی اور یہاں 1945 تک ہنزہ کے میر آباد تھے۔ پہاڑ کی چوٹی پر واقع یہ قلعہ تبّتی فن تعمیر کا نمونہ ہے جہاں سے نیچے خوبصورت وادی کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ قلعہ ایک مقبول سیاحتی منزل ہے۔

☆☆☆

جشن آزادی مبارک

حکیم الامت

حکایت اقبال

پرندے کی فریاد

محمد مبشر عطاری

وہ چہچہاتا، درختوں کی ایک ٹہنی سے دوسری اور دوسری سے تیسری پر چھلانگیں مارتا پھر رہا تھا، ہنسی خوشی اپنی زندگی کے دن گزار رہا تھا کہ اچانک انسان نامی ایک مخلوق نے اس پر حملہ کیا اور اسے پکڑ لیا گیا، جیسے ہی وہ انسان کے قابو میں آیا ڈر کے مارے ہوش وحواس کھو بیٹھا۔

جب اس نے آنکھیں کھولی تو وہ نا جانے کس جگہ موجود تھا۔ بس اسے اپنے سامنے موٹی سلاخیں نظر آ رہی تھیں جن سے نکلنا اس کے لیے ناممکن تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اسے کسی نے قید کر رکھا ہے۔ دن گزر رتے جا رہے تھے اور اپنے وطن واپس جانے کے لیے اس کی بیتابی بھی بڑھ رہی تھی۔

اسی دوران وہ اپنے گزرے ہوئے زمانے کے بارے میں سوچ رہا ہے کہ جب وہ آسمان کی فضاں میں اڑتا، باغات کی سیر کرتا اور دیگر پرندوں کے ساتھ مل کر چہچہاتا۔ وہ بھی کیسے دن تھے کہ جہاں من چاہے جا لیکن اب وہ آزادیاں نہیں رہیں۔ وہ یہ تمنا کر رہا کہ کاش میری رہائی میرے بس میں ہوتی۔ وہ اپنے آپ کو بڑا بدنصیب تصور کر رہا ہے کہ میرے تمام دوست احباب، عزیز واقارب تو اپنے وطن میں خوش ہیں لیکن میں قید میں ہوں۔

وہ دل ہی دل میں خود سے کہہ رہا ہے کہ اب تو بہار کا موسم بھی آ پہنچا کہ جب کلیاں کھلتی ہیں اور ہر طرف سبزہ ہی سبزہ دکھائی دیتا ہے لیکن میرا یہ قفس اندھیروں میں گھرا ہوا ہے اور میں اس میں پڑا قسمت کو کوس رہا ہوں۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا کہ وہ کسے بتائے کہ مجھے قید کر لیا گیا ہے اور وہ اس کی مدد کو آ پہنچے۔

اسے اس بات کا ڈر کھائے جا رہا ہے کہ کہیں وہ اس پنجرے میں غم کی وجہ سے گھٹ گھٹ کر مر نہ جائے۔ وہ اس پنجرے میں آنے کے بعد روزِ اول سے اسے قید کرنے والے سے فریاد گو ہے کہ مجھے آزاد کر دے تا کہ میں اپنے وطن کو واپس لوٹ جاں اور اپنے ہم وطنوں کے ساتھ ہنسی خوشی اپنی بقیہ زندگی بسر کروں۔ اس کا تجھ کو یہ فائدہ ہوگا کہ میں بدلے میں تمہیں دعا دوں گا اور تو بھی یہ جانتا ہے کہ میں بے زبان ہوں اور میری دعا زیادہ مقبول ہوگی۔ اسے بس ایک گلہ تھا۔۔۔

حضرت انسان سے کہ جسے اشرف المخلوقات کہا گیا ہے، وہ اپنے اندر خود سے یہ سوال کر رہا تھا کہ آخر ایسی مخلوق کیونکر اشرف ہوسکتی ہے جو سوچ سمجھ، عقل فہم رکھنے کے باوجود بھی بے زبانوں پر ظلم کرتی ہے۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ میرے پاس حضرت انسان کا کوئی بچہ آئے اور اسے میں یہ کہہ سکوں کہ ان بے زبان پر جو ظلم کرتے ہیں ، انہیں قید کرتے ہیں وہ اچھے نہیں ہوتے، لیکن اسے پتا تھا کہ وہ بول نہیں سکتا۔ اس گلہ تھا اور وہ بد دعا دینے لگا تھا۔

یہ ایک خوبصورت نظم ہے جس کے شاعر ہمارے قومی شاعر علامہ محمد اقبال ہیں۔ اس میں آپ نے ایک قیدی پرندے کے احساسات کو اختصار سے بیان کیا ہے۔ اس نظم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کا حقیقی لطف آزاد شخص ہی اٹھا سکتا ہے جبکہ غلام یا کسی طرح سے قید میں گرفتار شخص ہمیشہ اداس و پریشان رہتا ہے، جیسے کہ یہ پرندہ۔

☆☆☆

جشن آزادی مبارک

ڈاکٹر عافیہ صدیقی

عبدالستار ایدھی

ڈاکٹر ادیب الحسن رضوی
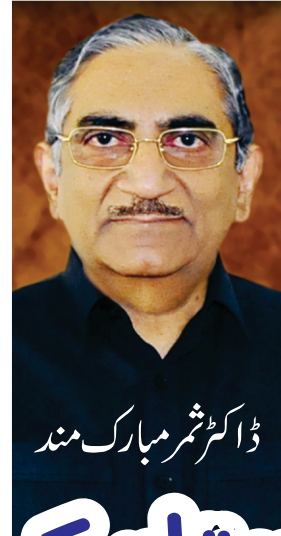
ڈاکٹر ثمر مبارک مند

حکیم محمد سعید شہید

پاکستان کی قابل فخر شخصیات

تہنیت افتخار

ہمارے ملک پاکستان میں بہت سی ایسی عظیم شخصیات گزری ہیں جنہوں نے اپنے وطن کیلئے کوششوں میں اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کی اور اپنی عظیم خدمات سے وطن عزیز کا نام روشن کیا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ آج ہماری نئی نسل ان عظیم شخصیات اور ان کے کارناموں سے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی اور ان کا ذکر گویا بھلاتی جا رہی ہے۔ جبکہ ان کی عظیم کاوشوں اور قربانیوں کی وجہ سے ان کا ہم پر یہ حق ہے کہ ان کو ہمیشہ یاد رکھا جائے۔

اور ان کی محنت اور وطن کے لیے قربانیوں کو رائیگاں نہ جانے دیا جائے۔ ان کا تذکرہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ ستارے ہماری اگلی نسلوں کے لیے رستے کے نشان ہیں، جن کو دیکھ دیکھ کر ہم عظمت کی بلندیوں کی طرف سفر کریں گے۔ لہذا جب ہم ان شخصیات کی زندگی کا مطالعہ کریں گے اور اپنے بہن بھائیوں اور بچوں کو ان کے قصے سنائیں گے تو ان کے اندر بھی وطن، انسانیت اور سب سے بڑھ کر دین اسلام کے لیے قربانیاں دینے کا جذبہ پیدا ہو گا۔ یوں تو الحمدللہ وطن عزیز پاکستان کی تاریخ میں قابلِ فخر شخصیات کی ان گنت ہیں، یہ ایک پوری کہکشاں ہے، جس کا ایک ایک ستارہ روشن تر اور اپنی مثال آپ ہے۔

مگر آج ہم ان شخصیات کا تذکرہ کریں گے جنہیں اکثر فراموش کر دیا جاتا ہے۔ ان کا ذکر آپ میں سے شاید اکثر بچے پہلی بار سن رہے ہوں گے۔

☆☆☆

حکیم محمد سعید

آپ 9 جنوری 1920 کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک مایہ ناز حکیم تھے جنہوں نے اسلامی دنیا اور پاکستان کے لیے اہم خدمات انجام دیں۔ آپ بچوں اور بچوں کے ادب سے بے حد شغف رکھتے تھے۔ اپنی شہادت تک وہ اپنے ہی شروع کردہ رسالے ہمدرد نونہال سے مکمل طور پر وابستہ رہے۔

اس کے علاوہ انہوں نے نونہال ادب کے نام سے بچوں کے لیے کتب کا سلسلہ شروع کیا جو ابھی تک جاری ہے۔ آپ نے مذہب اور طب و حکمت پر 200 سے زائد کتب تصنیف و تالیف کیں۔ ہمدرد لیبارٹریز، ہمدرد فاؤنڈیشن، ہمدرد سکولز، کالجز اور ہمدرد یونیورسٹی ان کے قائم کردہ اہم ادارے ہیں۔ جن کی ساری آمدنی ان کی وصیت کے مطابق پاکستان کی تعمیر و ترقی کیلئے وقف ہے۔

17 اکتوبر 1998 کو کچھ وطن دشمن عناصر نے آپ کو کراچی میں فائرنگ کر کے شہید کر دیا گیا۔ جس وقت انہیں آرام باغ میں ان کے دواخانہ کے باہر شہید کیا گیا، وہ روزہ کی حالت میں تھے یوں ان کا معمول تھا کہ وہ جس روز مریضوں کو دیکھنے جاتے روزہ رکھتے تھے چونکہ ان کا ایمان تھا کہ صرف دوا وجہ شفا نہیں ہوتی، لہذا روزہ کی حالت میں اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

☆☆☆

ڈاکٹر ثمر مبارک

ڈاکٹر ثمر مبارک مایہ ناز ایٹمی سائنس دان ہیں جو پاکستان جوہری توانائی کمیشن کے رکن رہے۔

1941 میں راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔

جشن آزادی مبارک

آپ نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے نیوکلیئر فزکس میں PhD کی ڈگری لی۔ اور وطن واپس لوٹ کر پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں شمولیت اختیار کی۔ اور پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف نیوکلیئر سائنسز اینڈ ٹیکنالوجی سے بھی وابستہ رہے۔

28 مئی 1998 کو چاغی کے مقام پر پاکستان کے پہلے جوہری بم کے دھماکوں کی آزمائش کرنے والے عملہ کے سربراہ کی حیثیت سے عالمی شہرت حاصل ہوئی۔ آپ نے پاکستان کے میزائل پروگرام میں بھی ایک مؤثر کردار ادا کیا۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ نیس کوم نیشنل انجینئرنگ اینڈ سائنٹیفک کمیشن کا قیام ہے، جس نے پاکستان ڈیفنس اور میزائل پروگرام کے خدوخال تشکیل دینے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

ڈاکٹر ادیب الحسن رضوی

آپ کی گراں قدر خدمات کے بدلے میں حکومت پاکستان نے آپ کو نشان امتیاز، ہلال امتیاز اور ستارہ امتیاز سے نوازا۔

☆☆☆

آپ 11 ستمبر 1938 اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ آپ نے گردوں کے علاج کے لیے سندھ انسٹیٹیوٹ آف یورالوجی اینڈ ٹرانسپلانٹیشن کی بنیاد رکھی۔ جب آپ نے سول ہسپتال میں ملازمت اختیار کی تو گردے کے علاج کے لیے 8 بستروں کے وارڈ سے ایک نئے مشن کا آغاز کیا۔ ڈاکٹر ادیب الحسن رضوی نے انسٹی ٹیوٹ کے قیام کے لیے محض سرکاری گرانٹ پر ہی تکیہ نہیں کیا بلکہ نجی شعبے کو بھی اپنے مشن میں شریک کیا۔ یوں سرکاری ادارے میں بغیر کسی فائدے کے نجی شعبے کے عطیات کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ پوری دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس طرح 6 منزلہ جدید عمارت میں 300 بیڈ پر مشتمل کمپلیکس کی تعمیر کی۔ اس کمپلیکس میں متعدد جدید آپریشن تھیٹر، لیکچرز ہال، او پی ڈی وغیرہ کی سہولتوں کے ساتھ ساتھ ایک جدید آڈیٹوریم بھی تعمیر کیا گیا۔ نیز گردے کے کینسر کے علاج کے لیے حنیفہ بائی حاجیانی کمپلیکس بھی تعمیر کروایا۔

سندھ اسمبلی نے 1991 میں سول اسپتال کے گردہ وارڈ کو انسٹی ٹیوٹ میں تبدیل کرنے کا قانون متفقہ طور پر منظور کیا۔ 2005 میں اس ادارے کو چیریٹی ٹرسٹ میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی گردے کی پتھری کو کچلنے کے لیے لیپسوتھراپی کی مشین جو اپنے وقت کی مہنگی ترین مشین تھی SIUT میں لگ گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب کراچی کے دو یا تین اسپتالوں میں یہ مشین لگائی گئی تھی جہاں مریضوں سے اس جدید طریقہ علاج کے لیے خطیر رقم وصول کی جاتی تھی مگر سیوٹ میں یہ سہولت بغیر کسی معاوضے کے فراہم کی جاتی تھی۔ ڈاکٹر ادیب الحسن رضوی کی قیادت میں ڈاکٹروں کی ٹیم نے گردے کے ٹرانسپلانٹ کا کامیاب تجربہ کیا۔

انھوں نے ایک تندرست فرد کا گردہ ایک ایسے شخص کو لگایا جس کا گردہ ناکارہ ہو چکا تھا۔

آپ نے اعضا کی پیوندکاری کے بارے میں آگہی پیدا کرنے کے لیے سیمینارز اور کانفرنس منعقد کیں اور ذرائع ابلاغ پر بھرپور پروگرام منعقد کیے۔ دستیاب اعداد و شمار کے مطابق SIUT میں ہر سال گردے کی پیوندکاری کے 544 آپریشن ہوتے ہیں، یہ شرح دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ اور اب لیور ٹرانسپلانٹ کے لیے چین، بھارت اور یورپ جانے والے مریض بھی SIUT کا رخ کرتے ہیں۔ ملک میں گزشتہ برسوں کے دوران آنے والی سیلابوں کے دوران پنجاب اور سندھ میں SIUT کی ٹیموں نے مریضوں کی جانیں بچانے کے لیے حیرت انگیز خدمات انجام دیں۔

☆☆☆

عبدالستار ایدھی

آپ 28 فروری 1928 کو ہندوستانی گجرات میں پیدا ہوئے۔ آپ کی فلاحی خدمات کے حوالے سے پاکستان اور دنیا بھر میں جانی مانی شخصیت ہیں۔ انہوں نے انسانیت کی خدمت کیلیے ایدھی فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی۔ ایدھی فاؤنڈیشن کی شاخیں تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کی بیوی محترمہ بلقیس ایدھی انسانیت کی خدمت میں پوری زندگی ان کے شانہ بشانہ رہیں۔ دونوں کو 1986 میں عوامی خدمات کے شعبہ میں رامون ماگسیسے ایوارڈ

(Ramon Magsaysay Award)

سے نوازا گیا۔

1947 میں تقسیم ہند کے بعد آپ کا خاندان بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان آیا اور کراچی میں آباد ہوا۔ 1951 میں آپ نے اپنی جمع پونجی سے ایک چھوٹی سی دکان خریدی اور اسی دکان میں آپ نے ایک ڈاکٹر کی مدد سے چھوٹی سی ڈسپنسری کھولی جنھوں نے ان کو طبی امداد کی بنیادی باتیں سکھائیں۔ اس کے علاوہ آپ نے یہاں اپنے دوستوں کو تدریس کی طرف بھی راغب کیا۔ آپ نے سادہ طرز زندگی اپنایا اور ڈسپنسری کے سامنے بنچ پر ہی سو لیتے تاکہ بوقت ضرورت فوری طور پر مدد کو پہنچ سکیں۔ فلو کی وبا کے بعد ایک کاروباری شخصیت نے ایدھی کو کافی بڑی رقم کی امداد دی جس سے انہوں نے ایک ایمبولینس خریدی جس کو وہ خود چلاتے تھے۔ آج ایدھی فاؤنڈیشن کے پاس 600 سے زیادہ ایمبولینسیں ہیں، جو ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئیں ہیں۔ کراچی اور اندرون سندھ میں امداد کے لیے وہ خود روانہ ہوتے تھے۔ ہسپتال اور ایمبولینس خدمات کے علاوہ ایدھی فاؤنڈیشن نے کلینک، ہسپتال، پاگل خانے، معذوروں کیلئے گھر، بلڈ بنک، یتیم خانے، لاوارث بچوں کو گود لینے کے مراکز، پناہ گاہیں اور اسکول کھولے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ فاونڈیشن نرسنگ اور گھرداری کے کورس بھی کرواتی ہے۔

آپ کو بہت سے اعزازات ملے
چند کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔

1) کالج آف فزیشنز اینڈ سرجنز پاکستان کی طرف سے
سلور جوبلی شیلڈ (1987-2962)

2) حکومت سندھ کی جانب سے
سماجی خدمت گزار برائے برصغیر کا اعزاز (1989)

3) حکومت پاکستان کا ایک اعلی اعزاز
نشان امتیاز (1989)

۴) حکومت پاکستان کے محکمہ صحت اور سماجی بہبود کی جانب سے
بہترین خدمات کا اعزاز (1989)

5) پاکستان سول سوسائٹی کی جانب سے
پاکستان سیوک اعزاز (1992)

آپ 8 جولائی 2019 کو 88 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

☆☆☆☆

ڈاکٹر عافیہ صدیقی

ڈاکٹر عافیہ صدیقی 2 مارچ 1973 کراچی میں پیدا ہوئی۔ آپ پاکستان سے تعلق رکھنے والی سائنس دان ہیں جسے امریکی حکومت نے 2003 میں اغوا کر کے جبراً غیر قانونی طور پر قید کیا ہوا ہے اور اس پر مسلسل خفیہ و خوفناک ایجنسی CIA کی جانب سے ظلم و جبر کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔
ڈاکٹر عافیہ صدیقی پاکستانی مسلمہ Neuro سائنسدان جنھوں نے دنیا کے مختلف ممالک سے 144 اعزازاتی ڈگریاں حاصل کیں۔ دنیا کی واحد نیورولوجسٹ جنھوں نے PhD ہارورڈ یونیورسٹی سے کی۔ وہ حافظ قرآن اور عالمہ، ایک ایسی علم رکھنے والی خاتون ہیں جن سے علم کے میدان میں کوئی امریکن مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن ان کے ساتھ ہونے والی جسمانی، نفسیاتی زیادتیوں اور مردوں کے ساتھ جیل میں رکھے جانے کی وجہ سے اب وہ اپنا حافظہ کھو بیٹھی ہیں۔ حکومت، میڈیا اور پوری قوم کو ان

عبدالستار ایدھی

ڈاکٹر عبدالقدیر خان

حکیم محمد سعید

سمعیہ نورین

نصراللہ شجیع

جشن آزادی مبارک

کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کے خلاف زوردار آواز اٹھانی چاہیے۔اوراگر ہم یہ بھی نہیں کر سکتے تو انکے حق میں دعا ہی کر دیں کہ اللہ انہیں یہود کے شکنجے سے نجات دلائے۔قصہ کچھ یوں ہے کہ میریلینڈ میں ڈاک وصول کرنے کیلئے ڈاک ڈبہ کرائے پرلیا اور2003میں کراچی واپس آ گئیں۔ FBI نے شک ظاہر کیا کہ یہ ڈاک ڈبہ دراصل دہشتگردوں سے تعلق رکھنے والے کسی شخص کیلئے کرائے پر لیا گیا تھا۔امریکی ابلاغ میں عافیہ صدیقی کی بطور دہشت گرد تشہیر کی گئی۔

یہ دیکھ کر عافیہ کچھ دیر کراچی میں روپوش ہوگئی۔ 30مارچ2003 کو اپنے تین بچوں سمیت راولپنڈی جانے کے لیےٹیکسی میں ہوائی اڈا کی طرف روانہ ہوئی مگر راستے سے غائب ہوگئیں بعد میں خبریں آئیں کہ ان کو امریکیوں نے اغوا کرلیا ہے۔اس وقت ان کی عمر 30 سال تھی اور بڑے بچے کی عمر چار سال اور سب سے چھوٹے کی ایک ماہ،مقامی اخباروں میں عافیہ کی گرفتاری کی خبر شائع ہوئی مگر بعد میں وزیروں نے لاعلمی کا اظہار کیا اوران کی والدہ کو دھمکیاں دی گئیں۔اسلام آباد عدالت میں ایک درخواست میں الزام لگایا گیا ہے کہ پرویز مشرف دور میں ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو ڈالروں کے عوض امریکیوں کے ہاتھ فروخت کیا گیا۔

☆☆☆

نصراللہ شجیع

نصر اللہ خاں شجیع 1970 میں کراچی کی آبادی حیدرآباد کالونی میں ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے۔نصراللہ خاں شجیع اسم بامسمی تھے۔ان کی شجاعت وجرت کا ایک زمانہ معترف اور کراچی کے در ودیوار اور کوچے وبازار شاہد ہیں۔نصراللہ خاں شجیع نے اپنی تحریکی زندگی کا آغاز اسلامی جمعیت طلبہ سے کیا۔وہ جمعیت کے رکن بنے اور مختلف ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے کراچی جمعیت کی نظامت1996 تا1997 اور مرکزی شوریٰ کی رکنیت تک پہنچے۔جامعہ کراچی سے ماسٹر کی ڈگری حاصل کی۔اس سارے عرصے میں وہ طلبہ کے درمیان ایک ہردلعزیز شخصیت شمار ہوتے تھے۔پرآشوب حالات میں بھی انہوں نے دعوت کا کام کبھی پسِ پشت نہ ڈالا۔انہیں اس بات کی لگن تھی کہ ہر نوجوان ابھرتے ہوئے فتنوں کے مقابلے میں قرآن وسنت کو اپنی ڈھال بنالے۔

نصراللہ خاں شجیع پانچ سال تک رکن صوبائی اسمبلی رہنے کے باوجود کوئی دنیاوی مفاد یا دولت اکٹھی نہیں کی۔اپنی معاش کے لئے نصراللہ خاں شجیع نے کراچی کے معروف تعلیمی ادارے عثمان پبلک سکول میں ملازمت اختیار کرلی وہ کیمپس نمبر 13 کے پرنسپل تھے۔ 2جون 2014 کو سکول کے بچوں کی ایک ٹرپ لے کر خیبر پختونخوا کے تفریحی سفر پر تھے۔بالاکوٹ کے تاریخی قصبے میں بچوں کو وزٹ کرانے کے بعد سیر وسیاحت کے لئے دریا کی طرف نکل گئے۔دریائے کنہار کاغان کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اوراس پہاڑی علاقے میں اس کا بہا خاصا تیز ہوتا ہے۔برف پگھلنے کا موسم ہونے کی وجہ سے ویسے بھی دریا جوبن پر تھا۔اطلاعات کے مطابق نصراللہ شجیع اورطلبہ دریا پر وضو کر رہے تھے کہ ایک طالب علم دریا میں گر پڑا۔روحانی باپ سے رہانہ گیا کہ اس کا بچہ موجوں کی نذر ہوجائے اور وہ دیکھتا رہ جائے۔سوانہوں نے فورا ہی بچے کو بچانے کیلئے جب کنہار کے خونخوار دریا میں چھلانگ لگائی تو غالبا نیچے کوئی چٹان تھی اس سے جا ٹکرائے اور پھر پانی کی سطح پر نہ ابھر سکے۔اوریوں ایک شفیق استاد، ایک بہادر انسان استادوں کا مان بڑھاتا ہوا دریا کی موجوں کی نظر ہوگیا۔حکومت پاکستان نے انہیں ان کی بہادرانہ شہادت پر "تمغہ شجاعت "عطا کیا جوان کے بیٹے نے وصول کیا۔

☆☆☆

سمعیہ نورین

استاد استاد ہی ہوتا ہے۔خواہ اس کا تعلق سرکاری یا پرائیویٹ تعلیمی ادارے سے ہو۔

25 مئی 2013 ہفتہ کے روز راجیکی،کوٹ کھگہ،کنگ سہالی اور چنن سے 27 بچوں اور ایک ٹیچر سمیعہ نورین سکول وین موضع کوٹ فتح دین مزید بچوں کو سکول لانے کے لئے روانہ ہوئی تو اسی دوران پٹرول لیک ہونے کی وجہ سے وین میں آگ بھڑک اٹھی۔ ڈرائیور چھلانگ لگا کر فرار ہوگیا۔فرنٹ سیٹ پر بیٹھے بچوں نے چھلانگ لگا کر اپنی جان بچائی۔لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت وین کے شیشے ڈنڈوں کی مدد سے توڑے اسی دوران دودھ فروش نے آگ بجھانے کے لئے وین پر اپنا دودھ انڈیل دیا۔ٹیچر سمیعہ نورین بحفاظت نیچے اتر کر بچوں کی چیخ و پکار برداشت نہ کرسکی۔بھڑکتی ہوئی آگ میں دوبارہ بچوں کو بچانے کیلئے کود پڑی۔چھ بچوں کو آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے بچاسکی۔جب ساتویں بچے کو بچانے کیلئے پھر سے آگ میں داخل ہوئی تو آگ کے ظالم شعلوں سے ہار کر بچوں کے ساتھ رب العزت کی بارگاہ میں حاضر ہوگئی۔

سمیعہ نورین کی شہادت نے ثابت کر دیا ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا ہے۔حکومت پاکستان نے انہیں ان کی جرات و بہادری اور احساس ذمہ داری کے اعتراف میں سب سے بڑا سول اعزاز پیش کیا۔آخر میں درخواست ہے کہ ان عظیم شخصیات کے لیے دعا کی جائے۔ جو لوگ حیات ہیں اللہ انھیں صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق سے نوازے،آمین۔

جشن آزادی مبارک

NEVER GIVE UP

NEVER STOP TRYING

ناکامی سے مت گھبرائیں

ذوالفقار علی بخاری

پیارے بچوں!

آپ کے جب بھی امتحانات ہوتے ہیں تو آپ کی بھر پور کوشش ہوتی ہے کہ آپ اچھے نمبروں کے ساتھ پاس کرلیں تاکہ آئندہ کی زندگی میں وہ خواب جو دیکھے ہیں وہ آسانی سے پورا ہوسکیں۔

مگر جب اس کے برعکس کچھ ہوتو ہم اس ناکامی کو دل پر لے لیتے ہیں اور اپنے آپ سے ناراض ہوجاتے ہیں کہ ہم آخر ہم ہی کیوں ناکام ہوئے ہیں۔باقی سب تو کامیاب ہوگئے ہیں ہم ہی کیوں اس کا شکار ہوئے ہیں۔

اکثر ہم سب ناکام ہوجانے سے ڈرتے ہیں، اس ڈر کی وجہ سے ہمیشہ کوشش کرتے ہیں کہ کامیابی کے لئے جتنی بھی محنت کر سکتے ہیں وہ کریں تاکہ ہم کامیاب لوگوں کی فہرست میں شامل ہوسکیں۔

مگر ناکامی ہمیں اندر سے توڑ دیتی ہے کہ سب آگے نکل گئے اور ہم پیچھے رہ گئے ہیں، جب کہ ایسی بات ہرگز نہیں ہوتی ہے، ہم بھر پور محنت اور توجہ سے پھر سے کامیابی حاصل کرسکتے ہیں۔

پیارے بچوں!

کیا آپ جانتے ہیں کہ اگر ہم کسی بھی امتحان میں ناکامی کا سامنا کرتے ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ ہم نے اپنی تیاری اچھے طریقہ کار سے نہیں کی ہوتی ہے یا ہم سوال کے جواب اس قدر درست نہیں دیتے ہیں جو کہ عمدہ نمبروں کا سبب بن سکے۔

دوسری اہم بات یہ بھی ہوتی ہے کہ کچھ بچے ذہانت تو رکھتے ہیں مگر وہ جوابات کو درست طور پر لکھنے سے قاصر ہوتے ہیں، یا وہ اتنے آرام سے لکھتے ہیں کہ پورے سوالات کو حل نہیں کر پاتے ہیں جس کی وجہ سے نمبر کم آتے ہیں اور ناکامی دیکھتے ہیں جو کہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہوتا ہے کہ آپ اس کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنالیں اور رونا دھونا شروع کر دیں۔آپ اپنی کمزوریوں کو جاننے کے بعد اس کو اپنی طاقت بنائیں تاکہ کامیابی حاصل ہوجائے۔

آپ نے اگر کبھی بڑے اور کامیاب افراد کی کہانیاں پڑھی اور سنی ہوں تو آپ کو یہ بات معلوم ہوگی کہ اکثر سب کامیاب ترین افراد چاہے وہ سائنس دان ہوں، کھلاڑی ہوں یا پھر سیاست دان یا فوج کا سپاہی اور جرنیل، وہ سب اپنی انتھک محنت اور کبھی ہار تسلیم نہ کرنے کے ارادے سے ہی کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

پیارے بچوں!

ناکامی ہی ہم کو یہ سکھاتی ہے کہ ہم نے کہاں پر غلطی کی ہے اور اب کس طرح سے اُس کو سدھار کر ہم کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔آپ نے وہ کہانی تو ضرور پڑھ رکھی ہوگی جس میں ایک چیونٹی بار بار گرنے کے بعد بالآخر دیوار پر چڑھنے کے قابل ہوجاتی ہے کہ وہ اپنی جہدوجہد کو ترک نہیں کرتی ہے۔

اسی طرح سے ناکامی کے بعد مزید حوصلے اور جرات سے اچھی تیاری سے ہم کامیابی حاصل کر سکتے ہیں کہ یہی ناکامی ہی ہماری کامیابی کا زینہ بنتی ہے۔ناکامی کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہوتا ہے کہ آپ کو کامیابی نہیں ملے گی۔

قرآن کریم میں بھی ہے کہ ”اور انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے“ تو یہ سب تو ہماری محنت پر ہے کہ ہم کتنی توجہ اور خلوص کے ساتھ کچھ حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

لہٰذا آپ آج سے اب نہ صرف خود بلکہ دوسروں کو بھی یہ بات کہیں گے کہ کوئی بات نہیں ابھی ناکامی ہوئی ہے تو اگلی بار کامیابی مل سکتی ہے کہ ناکامی ہی کامیابی کی جانب چلنے کا ایک زینہ ہے۔

جشن آزادی مبارک

جگلوس کا سدھرنا

دیا خان بلوچ

''تم یہاں کیا کررہے ہو؟ میں نے تمہیں آج شمال کی طرف جانے کا کہا تھا اور تم یہاں اپنے دوستوں کے ساتھ کھیل میں مشغول ہو۔''جگلوس کے ابا آج پھر اُس پر برس رہے تھے اور وہ یہاں سے وہاں بھاگ کر چھپنے کی کوشش کررہا تھا۔

''نالائق۔۔اِدھر آؤ۔'' انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ لمبا کر کے اُسے کان سے پکڑ کر اپنے سامنے کھڑا کیا۔''ابا نہیں کریں نا، میرا کان لمبا ہو جائے گا۔''جگلوس نے دانت نکال کر کہا۔

''ارے تمہارا صرف کان کیوں، ناک بھی کھینچ کر لمبا کر دیتا ہوں۔''یہ کہہ کر اُنہوں نے اُس کی ناک کو زور سے کھینچا اور نتیجہ سامنے تھا، کان کے ساتھ ساتھ ناک بھی لمبا ہو چکا تھا۔ ابا حضور تو جا چکے تھے لیکن جگلوس ابھی تک وہاں کھڑا سوچ رہا تھا کہ یہ ہوا کیا ہے اُس کے ساتھ۔

جگلوس، اپنے ابا اور اماں کے ساتھ جنوب کی جانب پہاڑوں پر رہتا ہے۔ یہ اُن کا آبائی علاقہ تھا جہاں وہ پچھلی سات نسلوں سے رہ رہے ہیں۔ جگلوس جن شرارتی تو تھا لیکن کچھ عرصے سے اُسے فضول کھیل کود میں وقت ضائع کرنے کی عادت پڑ چکی تھی۔ ہزار بار اُس کے ابا اماں اُسے سمجھا چکے تھے لیکن وہ سمجھ ہی نہیں رہا تھا۔ آج بھی وہ اپنے شریر دوستوں کے ساتھ پہاڑوں پر اُڑتا پھر رہا تھا جب اُس کے ابا اُسے کان سے پکڑ کر اگلے ہی سیکنڈ میں گھر لے آئے تھے۔

''یہ ابا بھی نا، پتہ نہیں کیوں اتنے ظالم ہو گئے ہیں آج کل، ذرا جو سکون سے مجھے کھیلنے دیں، کیا اتنا سا بھی حق نہیں ہے میرا۔'' وہ ابھی یہ سب سوچ ہی رہا تھا جب اُس کے ابا دوبارہ وہاں حاضر ہوئے۔

''جو کچھ تم سوچ رہے تھے وہ سب جانتا ہوں میں، آج میں نے سوچا ہے کہ کیوں نا تمہیں مزا چکھایا جائے۔''یہ کہہ کر اُنہوں نے کچھ پڑھ کر جگلوس پر پھونکا، اگلے ہی پل وہ انسانی شکل اختیار کر چکا تھا، جس کے جسم پر ایک پرانا سا جوڑا تھا۔

''ابا جان، یہ۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟''جگلوس کو صدمہ سخت صدمہ پہنچا تھا۔''وہی کیا ہے، جو مجھے بہت پہلے کر دینا چاہیے تھا۔ آج تمہیں معلوم ہوگا کہ محنت کسے کہتے ہیں، تم چوبیس گھنٹوں تک اِسی حالت میں رہو گے، نا تمہارے پاس تمہاری جادوئی طاقت ہوگی اور نہ ہی تم سیکنڈز میں اپنا کام کر سکو گے۔ جاؤ ذرا انسانی دنیا میں اور دیکھو کہ وہ کس طرح محنت و مشقت سے روزمرہ زندگی کی ضروریات کو حاصل کرتے ہیں۔''اُس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا لیکن اگلے ہی لمحے وہ انسانی دنیا کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچ چکا تھا۔ جہاں وہ کھڑا تھا وہاں کسی عمارت کی تعمیر ہو رہی تھی، اُس کے آس پاس بہت سے لوگ اُس کے جیسے کپڑے پہنے سامان یہاں سے وہاں لے جا رہے تھے۔

''ارے، تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے؟ کام کے لیے آئے ہو؟''یہ دبلا پتلا سا نوجوان

جشن آزادی مبارک

تھا، جس نے ہاتھ میں چند کاغذ پکڑے ہوئے تھے، جبکہ دوسرے ہاتھ میں اُس نے ایک سفید اور سیاہ رنگ کا رومال پکڑا ہوا تھا جس سے وہ ہر تھوڑی دیر بعد پسینہ صاف کر رہا تھا۔

''ارے بتاؤ بھی، گونگے ہو کیا؟'' اب اُس نے ذرا سختی سے پوچھا۔ ''نن۔۔نن۔۔۔نہیں، وہ میں پتہ نہیں یہاں کیسے آ گیا'' جگلوس نے اٹک اٹک کر کہا۔ ''چلو اچھا ہوا، تم آ گئے ہو، مجھے ویسے بھی یہاں ایک مزدور کی ضرورت تھی۔ تم کرو گے کام؟'' اس لڑکے نے سوال کیا۔

'' کام، کیا کام کرنا ہوگا؟'' اُس نے حیرت سے پوچھا۔'' لگتا ہے آج پہلی بار مزدوری کرنے آئے ہو، چلو میرے ساتھ میں سمجھاتا ہوں تمہیں کام۔'' اب جگلوس اُس کے ساتھ یہاں سے وہاں گھوم رہا تھا۔ اُسے اینٹیں پہلی مزل سے دوسری منزل پر پہنچانے کا کام سونپا گیا۔ جگلوس نے اپنے آس پاس نظر دوڑائی سب ہی جلدی جلدی اپنے کام میں مشغول تھے، اُس نے بھی ابتدا کی، لیکن یہ کیا۔ چند قدم چلنے کے بعد ہی وہ ڈگمگایا، ایسا لگا کہ ابھی وہ زمیں پر ہوگا اور بھاری اینٹیں اُس کے اوپر۔

''ارے بیٹا، ذرا سنبھل کر، دیکھو ایسے اِس طرح جما کر قدم رکھو، جلدی مت کرو، ورنہ گر جاؤ گے۔'' یہ الفاظ کہنے والا اُس کے برابر کھڑا تھا، درمیانی عمر کا یہ شخص پسینے سے شرابور تھا لیکن پھر بھی سکون سے اپنا کام مکمل کر رہا تھا۔

''جی شکریہ، رہنمائی کے لیے، میں اب ایسے کام کروں گا۔'' جگلوس نے جواب دیا۔'' شاباش، ویسے نام کیا ہے تمہارا؟ آج پہلی بار تمہیں یہاں دیکھا ہے۔'' اُنہوں نے پیار سے اُس کا نام پوچھا۔

''جی میرا نام اکمل ہے، قریبی گاؤں سے یہاں کام کرنے آیا ہوں۔'' دوپہر تک وہ بھی دوسروں کی طرح کام کرتا رہا، کھانے کا وقت ہوا تو سب کے ساتھ نچلی منزل پر آ گیا۔ ہاتھ منہ دھو کر وہ اُسی شخص کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا جس نے اُسے کام کرنے کا طریقہ بتایا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کیا اور پھر سب دوبارہ اپنی اپنی جگہ پر کام کرنے لگے۔ مغرب کے وقت سب کو مزدوری ملی تو اکمل کو بھی ملی۔ اُس کے ہاتھ میں پانچ سو کا نوٹ تھا، اُس کا جسم درد سے دُکھ رہا تھا، آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اُسے اپنے ابا کی باتیں سمجھ میں آئیں تھیں۔'' یہ انسانی دنیا تو بہت مشکل ہے بھئی، یہاں اتنی محنت کرنی پڑتی ہے، اور یہ نوٹ کیسا ہے، ذرا دیکھوں تو اِس سے کیا کیا ملتا ہے۔'' یہ سوچ کر وہ ایک ڈھابے کی طرف آ گیا۔

''بھیا، دو روٹیاں اور قیمہ کی پلیٹ دینا۔'' اُس نے وہاں کام کرنے والے لڑکے سے کہا۔'' ابھی لایا۔'' یہ کہہ کر وہ لڑکا چلا گیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ اُس کے پاس آیا۔ جگلوس نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور پھر بل پوچھا۔ اُس کے ایک وقت کے کھانے کی قیمت تین سو پچاس روپے تھی۔'' سارا دِن مشقت کرو اور اتنے کم پیسے ملتے ہیں کہ آپ دو وقت پیٹ بھر کا کھانا بھی نہیں کھا سکتے، بہت ہی افسوس کا مقام رہا۔

''بہت دیر تک وہ وہاں بیٹھا اِسی بات کو سوچتا رہا۔ رات ہوئی تو اُس کے پاس سونے کے لیے کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا، بہت گھنٹوں تک وہ یونہی ڈھابے کے ایک کونے میں بیٹھا آنے جانے والوں کو غور سے دیکھتا رہا، لیکن جب وہاں بھی کوئی آدم زاد نظر نہ آیا تو جگلوس وہاں سے چل دیا۔ اب اُس کی منزل فٹ پاتھ تھی، جہاں کچھ ہجوم محسوس ہوا وہ بھی وہاں پر آ کر لیٹ گیا، ابھی اُسے لیٹے چند منٹ ہی گزرے تھے جب دو آدمی اُس کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔

''او بھائی، تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟ یہ ہماری جگہ ہے، چلو بھاگو یہاں سے۔'' دوسرے آدمی نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے بھاگنے کا اشارہ کیا، لیکن وہ بھی جگلوس تھا، ہٹ دھرم، اُن کی بات کو اَن سنا کر کے اُس نے کروٹ بدل لی۔ اگلے ہی لمحے وہ آدمی اور اُس کا ساتھ اُس کی پٹائی کرنے میں مصروف تھے، وہ اِس حملے کے لیے تیار بھی نہ تھا اور اگر ہوتا بھی تو کیا کر لیتا، وہ دھان پان سا نوجوان اور وہ ٹھہرے طاقتور پہلوان۔ کچھ ہی دیر بعد وہ فٹ پاتھ ایک خالی حصے میں پڑا تھا، اُس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ سر اُٹھا کر آس پاس دیکھ لیتا۔ اب جگلوس کو رہ رہ کر اپنی شرارتیں اور ابا کو ستانا کو بہت یاد آ رہا تھا، کس طرح وہ وقت کو فضول کاموں میں ضائع کرتا رہا تھا۔ جیسے جیسے اُسے اپنی کوئی حرکت یاد آتی کہ کیسے اُس نے ابا کو ستایا تھا، ویسے ویسے اُس کے رونے میں شدت آنے لگتی۔ یہاں کوئی بھی تو اُس کا ہمدرد نہ تھا، نہ کوئی نرم بستر تھا، اماں کس طرح اُسے ہر رات پیار سے لوری سنا کر سلاتی تھیں، لیکن آج تو اُسے اُن کی آواز سنائی ہی نہ دے رہی تھی۔ اُسے نیند کب آئی معلوم ہی نہ ہوا، صبح جب اُس کی آنکھ کھلی تو وہ واپس اپنے گھر پہنچ چکا تھا، اُس کے ابا سامنے والی کرسی پر بیٹھے بغور اُس کا جائزہ لے رہے تھے اور اماں اُس کے سرہانے بیٹھی تھیں۔

''ابا جان، آج مجھے سمجھ آ گیا ہے کہ میں نے آپ کو کتنا ستایا ہے، لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب سے جو بھی آپ کہیں گے میں آپ کا ہر کہنا مانوں گا، ہر کام وقت پر کروں گا، اور نہ ہی میں اب ایسی کوئی شرارت کروں گا۔ جس سے آپ کو تکلیف پہنچے۔

''چلو بھئی یہ تو اچھا ہوا جگلوس میاں سدھر گئے ہیں، ویسے اب یاد تو رہے گا نا کہ اگر پھر ایسا کچھ کیا تو انسانی دنیا میں بھیجے جاؤ گے اور۔۔۔''

''نہیں۔۔۔نہیں ابا جان، میں ایسا کچھ نہیں کروں گا مجھے دوبارہ وہاں جانا پڑے۔'' جگلوس نے ابا کی بات کاٹ کر جلدی سے کہا تو وہ اُس کے انداز پر ہنسنے لگے۔

☆☆☆

جشن آزادی
مبارک

آزادی کا اصل مقصد؟

ظہیر ملک

14 اگست کی صبح کا سورج طلوع ہورہا تھا جس کی کرنیں روئے زمین پر اپنی روشنی بکھیر رہی تھیں ۔ سبزے پہ شبنم کے قطرے جن پر سورج کی کرن پڑتے ہی وہ ایسے چمکتے جیسے کسی قیمتی ہیرے کی چمک ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔

باغوں میں بلبلیں چہچہاتے پرندے خالق کی وحدانیت کو بیان کرتے عجب روح پرور منظر تخلیق کررہے تھے۔ چودہ اگست پاکستان میں ہر رہنے والے فرد کے چہرے پر طمانیت اور سکون لے کر آتی ہے۔ جو شاید ہم پورا سال بھول چکے ہوتے ہیں۔

نمرہ آج صبح جلدی اٹھ گئی ، اسے آج بہت سارے کام تھے کیونکہ سکول میں آج تقریب منعقد ہورہی تھی جس میں ملک کے نامی گرامی ٹیچرز اور پروفیسرز نے شرکت کرنی تھی جس میں آزادی کی اہمیت کے متعلق خطابات دیے جانے تھے۔ نمرہ جو مسلسل سست رہتی تھی کوئی کام وقت پہ نہ کرنا اس کی عادت تھی لیکن آج اس کی تیور بدلے ہوئے تھے اسے ایک انجانا سا احساس یہ کرنے پہ مجبور کررہا تھا، نمرہ صبح جلدی اٹھنے کی وجہ سے سکول ٹائم سے پہلے تیار ہوگئی اور ناشتہ کرکے سکول کی راہ لی جب سکول پہنچی تو سکول کا ماحول دیکھ کر وہ دنگ رہ گئی سکول کسی دلہن کی طرح سجایا گیا تھا رنگ برنگے پھولوں سے اسٹیج آراستہ کیا گیا، سامنے بچوں کے بیٹھنے کیلئے کرسیاں ترتیب دی گئیں تھیں۔ نمرہ جلدی سے اپنی دوست ماریہ سے ملی اور وہ دونوں اپنی کلاس روم میں چلی گئیں جہاں پہلے ہی بہت سے طلبا بیٹھے ہوئے تھے سب طلبا اچھے اچھے کپڑے پہنے خوشبو لگا کر آئے، خوش گپیوں میں مصروف تھے نمرہ اور ماریہ بھی اپنی نشست پہ جا بیٹھیں اور ٹیچر کے آنے کا انتظار کرنے لگ گئی ۔ ٹیچر کمرے میں داخل ہوئی تو تمام طالبات بصد احترام کھڑی ہوگئیں۔

ٹیچر نے سب کو قطار بنانے کا کہا اور خود سکول کے صحن کی طرف چلی گئیں تمام طلبا ان کے پیچھے قطار کی صورت میں صحن کی طرف بڑھ رہے تھے، تقریب کی شروعات تلاوت قرآن پاک سے ہوئی۔ کانوں میں رس گھولتی امل فاطمہ کی آواز نے سب کو مسحور کردیا تھا، بہت پیاری آواز سے تلاوت قرآن مجید کی گئی۔ پھر نعت رسول ﷺ سے دلوں کو منور کیا گیا۔

نمرہ اپنی جگہ پہ بیٹھی یہ منظر اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس قدر پرجوش تھی کہ وہ خود اسٹیج پہ چلی جائے اور چیخ چیخ کر اعلان کرے کہ آج چودہ اگست ہماری آزادی کا دن اس دن ہم آزاد ہوئے تھے اس دن ہم ظلم کی اندھیری رات سے نکل کر ایک روشن صبح کی طرف آئے تھے۔

پھر مس رابعہ اسٹیج پہ آئیں اور انہوں نے چند جملے آزادی کی اہمیت بیان کرنے کے لیے بولے جن کے بولنے کا انداز طالبات کو بہت بھلا اور خوبصورت لگ رہا تھا۔

انہوں نے کہا: آزادی کا مطلب کسی قوم کا اپنے اصولوں اور نظریات کی بنیاد

جشن آزادی مبارک

پرخودمختار زندگی گزارنا ہے۔
ہم چودہ اگست 1947 کے دن یعنی آج کے دن آزاد ہوئے تھے ۔ ہمارے آباواجداد نے اس تحریک آزادی میں بڑی قربانیاں دی ہیں ۔جن کی قیمت پر اللہ تعالی نے ہمیں پاکستان جیسا خوبصورت ملک عطا کیا جس کا ہر شہر دوسرے شہر سے زیادہ خوبصورت ہے۔آج ہم اگر آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں تو یہ سب ہمارے بڑوں کی قربانیوں کی بدولت ہی ممکن ہوا ہے ۔ہمیں چاہیے کہ پاکستان کو اس قابل بنائیں کہ ہمیں جو آزادی ملی اس کا حق ادا ہو جائے۔والسلام۔
اب میں بلانا چاہونگی ہماری سکول کی پرنسپل محترمہ شگفتہ یاسمین صاحبہ کہ وہ آئیں اور اپنے خوبصورت الفاظ سے چودہ اگست کی اہمیت پر روشنی ڈالیں آپ سب کی بھرپور تالیوں میں محترمہ شگفتہ صاحبہ ۔ شگفتہ صاحبہ اسٹیج پر جلوہ افروز ہو چکی تھیں انہوں نے مائیک پر بولنا شروع کیا تو حاضرین کی خاموشی مثالی تھی۔ان کا لہجہ اتنا شفیق تھا کہ بچے ان کے پاس بیٹھ جاتے تو اٹھنے کا نام نہیں لیتے تھے۔
شگفتہ صاحبہ اب بچوں سے محو گفتگو تھیں۔السلام علیکم میرے پیارے اساتذہ کرام اور ہمارے مستقبل ہمارے بچو ! آج ہم نے جس مقصد کے لیے اس شاندار تقریب کا انعقاد کیا ہے وہ مقصد کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے ۔ ہم سب کو اللہ تعالی نے پاکستان چودہ اگست کے خوبصورت دن عطا کیا تھا۔
پیارے بچو !یہ بات سچ ہے ہم چودہ اگست کو انگریزوں اور ہندوں کے ظلم اور غلامی سے آزاد ہوئے تھے ۔لیکن ہمارے آزاد ہونے کا مقصد کیا تھا؟ کیوں ہمارے بڑوں نے اتنی قربانیاں دیں؟ کیوں دنیا کی اتنی بڑی ہجرت ہوئی؟ جس میں خون بھی بہایا گیا جس میں عصمتیں بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ہم چودہ اگست 1947 کو آزاد تو ہوئے تھے وہ سب ہمارے اباو اجداد کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔
اب میں آتی ہوں اپنے موضوع یعنی آزادی کی اہمیت پر، شگفتہ صاحبہ ایک بار پھر بچوں سے گویا ہوئیں۔میں نے جو پہلا سوال آپ سب سے کیا۔ہم آزاد ہوئے بڑوں کی قربانیوں اوران کی جدوجہد کی وجہ سے لیکن وہ قربانیاں اور جدوجہد کیوں کی گئی؟ ہم تو ہندوستان میں بھی زندگی گزار رہے تھے ہم تو آزاد ہو کر پاکستان میں بھی اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔
لیکن ہمارا آزادی حاصل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم ہندوستان میں اسلام کے اصولوں کے مطابق زندگی نہیں گزار سکتے تھے اس کے لیے ہمیں پوری دنیا سے جدا ہو کر ایک ریاست ایک ملک قائم کرنا تھا تا کہ ہم اسلامی ضابطہ حیات کو اپنا سکیں۔اسلامی نظریہ حیات کو اپنی زندگی میں مکمل طور پر نافذ کر سکیں۔
جب پاکستان آزاد ہوا تو مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوں کی غلامی سے نجات ملی۔ اب پاکستان کے مسلمانوں کے پاس اپنا ملک تھا۔آج اگر ہم دیکھیں تو ماشااللہ پاکستان ترقی کی منازل طے کر چکا ہے،نت نئی ایجادات نے پاکستان کو مزید خوبصورت بنا دیا ہے۔لیکن ہمارے آزاد ہونے کا مقصد اب بھی پورا نہیں ہوا ہے۔
ہم کہتے تو ہیں ہم آزاد ہیں لیکن یہ یقین نہیں ہے کہ ہم آزاد ہیں ہم نے اپنا الگ ملک تو حاصل کر لیا لیکن نفس کی غلامی سے آزادی نہ حاصل کر سکے آج بھی پاکستان کو اگر دیکھا جائے تو اس جیسا خوبصورت ملک شاید ہی کہیں ہوگا ۔لیکن اس میں رہنے والے نفسانی خواہشات کے غلام بن چکے ہیں ۔ جو احساس و ہمدردی پاکستان کے وجود میں آنے کے وقت تھا اب وہ نہیں رہا۔
۔پیارے بچو !ہمارا آزادی حاصل کرنے کا ہرگز مقصد یہ نہیں تھا کہ ہمیشہ کمزور لوگوں پر ظلم کیا جاتا رہے ہمارا آزادی حاصل کرنے کا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا کہ ہم اسلام کے اصولوں کو چھوڑ دیں۔۔آج ہم نے اسلامی نظریہ حیات کو چھوڑا ہے تو ہم تباہ ہو رہے ہیں ۔ جو قومیں اپنا مقصد بھول جاتی ہیں وہ کبھی دنیا میں آگے نہیں بڑھ سکتیں ۔ ہمارا یہ مقصد ہونا چاہیے کہ پاکستان کو اسلام کا ایک مضبوط قلعہ بنا سکیں جہاں ہم اسلامی نظریہ حیات کو اپنائیں ۔کمزوروں کو انصاف دلائیں ۔ ہر غریب کو اس کا حق دلوائیں۔
جھوٹ،مکر فریب،سودخوری،رشوت خوری،بچوں پر ظلم اور سب سے بڑھ کر اسلام کے خلاف کام کرنے والی تنظیموں کو پاکستان سے ختم کر دیا جائے تبھی ہمارا آزاد ہونے کا مقصد حاصل ہوگا پیارے بچو!آزادی بہت بڑی نعمت ہے جسے اللہ تعالی نے ہم پر اپنا خصوصی فضل فرما کر عطا کیا ہے۔
اس لیے ہم سب کو آپ سب بچوں سمیت یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم پاکستان کو جس مقصد کے لیے آزاد کروایا گیا اس مقصد کی طرف اپنا سفر جاری رکھیں ۔اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔سکول کا صحن ایک دفعہ پھر پرجوش تالیوں سے گونج اٹھا۔پرنسپل کی باتیں بچوں کے ذہن پر نقش ہو چکیں تھیں انہیں ایک مقصد مل گیا تھا جس پر انہوں نے چل کر پاکستان کو عظیم بنانا تھا۔
تقریب کے اختتام پر نمرہ سمیت چند بچوں نے مل کر پاکستان کے پرچم تلے کھڑے ہو کر خوبصورت ترانہ پڑھا۔۔اس پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں ہم ایک ہیں سانجھی اپنی خوشیاں اور غم ایک ہیں ہم ایک ہیں ہم ایک ہیں تقریب اختتام پذیر ہو چکی تھی اور سب بچے اپنے اپنے گھروں کو آزادی حاصل کرنے کا خوبصورت مقصد اپنے دل و دماغ پر نقش کر کے جا رہے تھے۔

☆☆☆

جشن آزادی مبارک

"قصور وار کون"

تنزیلہ احمد

''رک جا''! بلال نے تیز آواز میں کہا مگر سجاد پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ "میں نے کہا رک جا ورنہ گولی مار دوں گا۔۔۔" اس نے دوبارہ کہا۔ تب تک سجاد بھاگ کر کمرے میں گھس کے دروازہ بند کر چکا تھا۔ "میرے بھائی مت بھولو تمھارے ہاتھ میں نقلی بندوق ہے۔

رعب تو یوں ڈال رہے ہو جیسے اصلی ہو"! سجاد اندر سے چلایا تھا۔ سب دوست مل کر چور سپاہی کھیل رہے تھے۔ اور ہمیشہ کی طرح آج بھی بلال سپاہی بنا اور اس سے چور یعنی سجاد نہیں پکڑا گیا تھا۔۔۔

یوں سجاد کی ٹیم کا ایک پوائنٹ بن چکا تھا۔ اب سپاہی بننے کی باری اسی کی ٹیم کی تھی۔

ان سب دوستوں کے پاس کھلونا پستول تھیں۔ جو انھوں نے بہت شوق سے پیسے جمع کر کے خود خریدی تھیں یا پھر عید اور جشن آزادی کے موقع پر والدین سے خوب ضد کر کے لی تھیں۔ روایتی کھلونوں کے بجائے ان سب لڑکوں کا رجحان نقلی بندوقوں کی طرف تھا۔ بچوں میں سب سے زیادہ مقبول کھلونا کلاشنکوف تھی۔ ایسی کھلونا بندوق جس کے تمام فنکشنز اصلی بندوق جیسے لگتے تھے۔ کچھ میں تو لیزر لائٹس بھی لگی ہوتیں جو اندھیرے میں ٹھیک نشانہ لگانے میں مدد دیتیں۔ ایسی بندوقیں کھلونوں کی دکانوں کے علاوہ تہوار کے مواقع پر قائم کیے گیے عارضی اسٹالز پر با آسانی دستیاب ہوتی تھیں۔

سجاد کے پاس بھی ایک رنگین پستول تھی جس سے پانی کی تیز پھوار نکلتی تھی۔ کتنا مزا آتا تھا پانی والی پستول سے ڈرانے اور شرارتیں کرنے میں۔ بالخصوص سردیوں میں تو سب اسے دیکھ کر یوں چھپنے کی کوشش کرتے جیسے کوئی جن بھوت ہو۔ اس روز سب دوست بلال کے گھر کے بڑے سے صحن میں کھیل رہے تھے۔ کھلونا پستول پانی سے بھر کر وہ سب کو ڈرا رہا تھا۔ سب شور مچاتے آگے آگے اور وہ قہقہے لگاتا ان کے پیچھے تھا۔ بلال کا بڑا بھائی اعظم ضروری کام سے باہر جانے کے لیے تیار ہو کر کمرے سے نکلا اور سجاد کی بندوق کی زد میں آ گیا۔ اس کی قمیض بھیگ چکی تھی۔ سجاد پہلے بھی اسے کئی بار بھگو چکا تھا۔ اپنی تیاری برباد ہوتی دیکھ اعظم کا غصے سے برا حال تھا۔ جب کہ وہ اس پر ہنستے ہوئے بے حال ہو رہا تھا۔ ''رکو آج تمھیں نہیں چھوڑو گا! خود کو سمجھتے کیا ہو۔۔

وہ جھٹ سے اپنے کمرے سے کچھ اٹھا لایا۔ اس کے ہاتھ میں موجود کلاشنکوف پانی نہیں بلکہ پلاسٹک کی چھوٹی چھوٹی گولیاں اگلتی تھی۔ اعظم کی شرلے والی کھلونا بندوق سے تیزی اور انتہائی زور سے نکلی چھوٹی چھوٹی پلاسٹک کی گولیاں اسے سوئیوں کی طرح چبھی تھیں۔

درد کی تیز لہر اس کے جسم میں اٹھی اور اگلے ہی پل چیختے ہوئے وہ پیٹ کے بل زمین پر آ گرا۔ بلال اور باقی دوست اسے گرتا دیکھ بھاگ آئے۔ سجاد کی آسمانی رنگ کی قمیض پر سرخ

جشن آزادی مبارک

دھبے دیکھ کر بلال "خون، خون۔۔۔ " چلایا تھا۔ کچھ دیر قبل جہاں بچوں کے کھیلنے کودنے کی آوازیں گونج رہی تھیں اب اس کی جگہ تکلیف سے کراہنے کی دردناک آوازوں نے لے لی تھی۔

بلال اور سجاد چچا زاد بھائی اور ہم عمر تھے۔ ان دونوں کے والد اسلحے کا کاروبار کرتے تھے۔ ہوش سنبھالتے ہی انھوں نے ہر طرح کا اسلحہ دیکھا تھا۔ اعظم چودہ برس کا تھا۔ وہ بلال اور سجاد سے چار برس بڑا تھا۔ اسے بہت شوق تھا کہ وہ جلدی سے مزید بڑا ہو اور ویسے ہی اسلحہ چلا سکے جیسے اس کے باپ دادا چلاتے تھے۔ مگر یہ اس نے کیا کر ڈالا تھا۔ خان بابا بہت غصے میں تھے۔ دادا جان کو سبھی خان بابا پکارتے تھے۔ "یہ کیا حرکت کی ہے؟ تم کیسے اپنے چچا زاد بھائی کو تکلیف پہنچا سکتے ہو۔۔۔

"مم میرا یہ مقصد نہیں تھا۔ مجھے غصہ آ گیا۔ میں تو بس اسے سبق سکھانا چاہتا تھا۔۔۔"

اعظم نے اٹکتے ہوئے جواب دیا۔ وہ بہت ڈرا ہوا تھا۔ "اتنا غصہ تمھیں کیوں آ گیا؟ اک بار بھی نہ سوچا کہ بھائی کو تکلیف پہنچے گی؟ یاد رکھو سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اور ایک بھائی کو دوسرے کو تکلیف پہنچانا زیب نہیں دیتا۔۔۔ "

خان بابا کی کرخت آواز کمرے میں گونجی تو وہ سہم گیا۔ "غصہ حرام ہے۔۔۔ " "ہاں وہ کیسے بھول گیا تھا۔ "خان بابا اعظم بھائی اپنی کھلونا کلاشنکوف لیے گلی میں بھی گھومتے ہیں اور ایک دو بار میں نے انھیں اس سے پرندوں کا شکار کرتے بھی دیکھا ہے۔۔۔ "

بلال نے بڑے بھائی سے ڈرتے ڈرتے دادا کو آگاہ کیا تھا۔ "اوہ خدایا۔۔۔ ! یہ تو شکر ہے بچے کی آنکھ بچ گئی۔ خدانخواستہ اگر آنکھ میں لگ جاتی اور بینائی متاثر ہوتی تو تم خود کو کیسے معاف کرتے۔۔۔ "" ! قصور ہم سب کا ہے۔۔۔ ہم بچوں کو ایسے خطرناک کھلونے لے کر ہی کیوں دیتے ہیں۔ بچوں کی ایسی ضد نہیں ماننی چاہیے۔ گزشتہ برس بھی عید کے پرمسرت موقع پر دوسرے محلے کے بچے لڑ پڑے تھے۔ اور اپنی کھلونا بندوق سے ایک دوسرے کا خوب نقصان کیا تھا۔ ہر سال نت نئے ڈیزائنز کی کھلونا بندوقیں مارکیٹ میں آتی ہیں۔ قیمت 50 روپے سے 1200 روپے تک ہوتی ہے۔ چھوٹے اور بڑے بچے جمع شدہ پیسوں سے خرید لیتے ہیں یا پھر والدین یا رشتے دار تحفے کے طور پر دے دیتے ہیں۔ کیا حاصل ہو رہا ہے اس سے؟" سجاد کے والد نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے غصے سے کہا تھا۔ وہ دونوں بھائی ابھی سجاد کی پٹی کروا اور دوائیاں لے کر گھر پہنچے تھے۔ "تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔ بڑے بھائی تو چھوٹوں کی حفاظت کرتے ہیں نہ کہ زخمی۔۔۔ " اعظم کے والد نے اسے گھر کا تو وہ بھل بھل کر کے رونے لگا تھا۔۔۔ "ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہم سب قصوروار ہیں۔ ان بچوں کے ہاتھوں میں کتابیں ہونی چاہیے۔ ان کے کچے ذہن علم کی دولت سے روشن اور پختہ ہونے چاہیے۔ اگر انھیں کچھ برا کرتا دیکھیں تو روکنا اور سمجھانا ہماری ذمہ داری ہے۔۔۔ " خان بابا نے تاسف سے کہا تھا۔" مگر خان بابا لوگ تو اسلحے کو اپنی شان سمجھتے ہیں اور اس کی نمائش کرنا اپنا حق۔ بچے بھی نئی کھلونا بندوق شوق سے گلیوں میں لے کر پھرتے ہیں۔۔۔ "بلال نے آنکھوں دیکھی بیان کی تھی۔ "ایسی بات نہیں ہے بچے ! بعض اوقات مجبوری ہوتی ہے۔ اپنے پیاروں کی حفاظت کے پیش نظر تاکہ دشمن کمزور نہ سمجھنے لگے۔ اور بسا اوقات بس دکھاوا۔ یہ گولا بارود، اسلحہ، بندوقیں، صرف جان و مال کی حفاظت کے لیے ہیں۔ تاکہ امن و امان کی صورت حال برقرار رہے۔ نہ کہ انسانیت کے قتل عام کے لیے"۔ ان کے جواب پر سبھی نے تائید میں سر ہلائے تھے۔ "میں بہت شرمندہ ہوں خان بابا۔۔۔ "اعظم نے سسکیوں کے درمیان آہستگی سے کہا تھا۔ "آئندہ میں نہ سنوں کہ تم میں سے کوئی بھی کسی کو تکلیف پہنچانے کا سبب بنا ہو۔۔۔ "انھوں نے اس کے سر پہ شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔۔ "ٹھیک ہے خان بابا ہم آئندہ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔۔۔ " سبھی تہیہ کر چکے تھے۔۔۔

☆☆☆☆☆

نظم

اردو سیکھیں

محمد اویس بلوچ

آؤ بچوں اردو سیکھیں
اردو پڑھیں اردو لکھیں
چاہتے ہو گر آگے بڑھنا
اردو لکھنا اردو پڑھنا
سیکھو بھلے تم اور زبانیں
لیکن دنیا کو یہ بتا دیں
سبھی زبانوں پہ بھاری ہے
اردو ہی سب سے پیاری ہے
اس سے ہی تو مان ہماری
اردو ہے پہچان ہماری
پیدا جہاں میں نام کرو بھی
اردو کو اب عام کرو بھی
کام یہ صبح و شام ہے کرنا
اردو کو اب عام ہے کرنا
تم سے ہے یہ وعدہ اویس
پڑھوں گا اردو زیادہ اویس

☆☆☆

جشن آزادی مبارک

پکی توبہ

روبینہ عبدالقدیر

چلچلاتی گرمیوں کے دن تھے۔ بارہ بجے ہی آگ برساتا سورج آسمان پر جلوے بکھیرنا شروع کر دیتا تھا۔سخت ترین گرمی کی وجہ سے امی باہر نکلنے نہیں دیتیں اور ہم گھر میں بیٹھے بور ہوتے رہتے تھے۔ایک دوپہر گھر والے پنکھوں کی ٹھنڈی ہوا کے نیچے گہری نیند سو رہے تھے۔ہمیں نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے ہم نے اسکول کا ہوم ورک کرنا شروع کر دیا۔ ہوم ورک کرتے ہوئے ہمیں کافی دیر ہو گئی تھی لیکن وقت گزارے نہیں گزر رہا تھا۔ گھڑی کی سوئی رینگ رینگ کر چل رہی تھی۔اچانک ہمارے دماغ میں ایک انوکھا خیال کودا، ہم نے بستہ رکھا اور دبے پاں گھر سے نکل گئے، ہمارا رخ اپنی ان سہیلیوں کی طرف تھا جن کا ہمیں یقین تھا کہ وہ بھی ہماری طرح بور ہو رہی ہوں گی۔سب سے پہلے ہم ردا کے گھر گئے جس کے گڈے سے ہماری گڑیا کی شادی ہونا طے پائی تھی اس ناطے پہلا حق ہماری گڑیا کے سسرالیوں کا ہی بنتا تھا ! ردا کے ساتھ مل کر ہم نے چند ایک سہیلیاں مزید جمع کی اور اپنی خفیہ مہم کی منصوبہ بندی کرنے لگ گئیں۔ پوری گلی میں ہو کا عالم تھا۔ چرند پرند بھی گرمی سے گھبرا کر اپنے گھونسلوں میں آرام کر رہے تھے۔ ہم سب ہاتھوں میں پتھر اٹھا کر اپنے مشن کی جانب گامزن تھے۔ مطلوبہ مقام پر پہنچ کر ہم نے اپنی اپنی پوزیشنیں سنبھال لی تھیں۔ ہماری پیاری دوست ردا ماہر نشانہ باز تھی اس لیے اسے آگے رکھا تھا۔ ہم سب کن انکھیوں سے اپنے اردگرد بھی نظریں رکھے چوکنا کھڑی تھیں۔ ردا نے نشانہ باندھا اور ٹھک کر کے پتھر فضا میں بلند کر دیا جو ٹھاہ کر کے شمع خالہ کے صحن میں گرا۔ سناٹے میں پتھر کی تیز آواز سے جیسے کوئی بھونچال آ گیا ہو۔ مگر صد شکر گرمی میں کوئی باہر نہیں نکلا تھا۔ باری باری ہم سب نے پتھر اٹھا کر نشانہ لگا کر مارے لیکن شکار ہو نہیں رہا تھا۔ شمع خالہ کے صحن میں لگے آم کے درخت کی شاخیں باہر تک پھیلی ہوئی تھیں جس پر لگے کچپکے آم ہمارا جی للچا رہے تھے۔ کچی کیریوں پر مصالحہ لگا کر کھانے کا سوچ کر ہی ہمارے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ ہم اس مشغلے میں اتنے مصروف ہو گئے تھے کہ اردگرد سے بالکل ہی بے خبر ہو گئے۔ اچانک کسی نے ہمیں گدی سے پکڑا۔ خوف کے مارے ہماری آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ ہماری تینوں ہم مشن دوستیں دوڑ لگا کر فرار ہو چکی تھیں۔ گدی سے پکڑنے والے اور کوئی نہیں ہمارے اپنے بھیا ہی تھے۔ سر جھکائے ہم ان کی ہمراہی میں گھر تشریف لائے اور ہماری امی کے سامنے پیشی ہوئی جو بھری دوپہر میں ہمیں گھر میں نہ پا کر شدید پریشان ہو گئی تھیں۔ بس پھر جو ہماری "آم توڑ'' مہم کا انہیں پتا چلا تو خوب شامت آئی اور ہم نے آئندہ ہمیشہ کے لیے گرمی کی چھٹیوں میں دوپہر کے وقت گھر سے نکلنے سے پکی توبہ کر لی۔

جشن آزادی مبارک

ہمارے قائد

راج محمد آفریدی

تقسیم ہندوستان کی باتوں نے جب فسانوں سے حقیقت کا روپ اختیار کیا تو ہمارے محلے داروں نے بھی بھارت منتقل ہونے کا حتمی فیصلہ کیا۔ ان کے مطابق وہ یہاں سے مجبوراً جا رہے ہیں۔ انہیں یہاں کسی قسم کا خطرہ یا مسئلہ نہیں مگر ہر کوئی اپنوں کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ پس راجیشور کے خاندان نے بھی ہجرت کی ٹھان لی۔ جب مجھے اس بات کی اطلاع ملی تو مجھے بہت دکھ ہوا۔ اس شام میرے سوا سب کھانا کھانے بیٹھے۔

راجیشور کی جدائی میں میرا من کھانے کو نہیں کر رہا تھا۔ ابو جی نے دو تین بار مجھے کھانے کا کہا مگر میں نے انکار کیا۔ پھر وہ گویا ہوئے۔ "بیٹا! آ کر کھانا کھا لے۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔ اگر ہم بھارت میں ہوتے اور ایسے حالات کا سامنا کرتے تو ہم بھی مجبوراً پاکستان ہجرت کر آتے۔" میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا پس خاموش ہی رہا۔ اتنے میں راجیشور دستک دے کر ہمارے گھر آ یا۔ اسے دیکھ کر میرا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ بھی مسکرا دیا۔ اس کے ہاتھ میں میٹھے چاول بھرا پلیٹ تھا۔ اس نے قریب آتے ہی کہا۔ "چل مل کر کھانا کھاتے ہیں۔ مجھے پتا ہے میری طرح تو نے بھی کچھ نہیں کھایا ہوگا۔" ابو جی اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اور میری جانب اشارہ کرتے ہوئے بولے۔ "شکر ہے تو وقت پر آیا۔ یہ تو تیرے غم میں کچھ بھی کھانے کو تیار نہ تھا۔ اب جو تو آیا ہے دیکھو کتنا چہکنے لگا ہے۔"

"امی نے ہمیں سالن لا کر دیا جسے ہم دونوں نے مزے سے کھایا۔ پھر دیر تک ہماری گپ شپ ہوتی رہی۔ اس کے بعد میں اور ابو جی اسے گھر تک پہنچانے نکلے کہ راستے میں راجیشور کے ابو سبھاشکر انکل سے ملاقات ہوئی۔ وہ بیٹے ہی کو لینے آ رہے تھے۔ ابو جی نے اسے گلے لگا کر پوچھا۔" کیوں بھئی! کل کس وقت روانہ ہوں گے آپ؟ "انکل نے مجھے پیار کیا اور ابو جی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ہم تو کل صبح ہی کو نکل رہے تھے مگر ٹرین کی ٹکٹیں نہیں ملیں۔ اب پرسوں جائیں گے۔" یہ سن کر ابو جی نے خوش ہو کر کہا۔ "شکر الحمدللہ! یعنی خدا نے ہماری سن لی۔ سارے محلّہ داروں نے مغرب نماز کے بعد فیصلہ کیا کہ سب مل کر آپ کے خاندان کے لیے الوداعی تقریب کا اہتمام کریں گے اور مل کر محبت سے رخصت کریں گے۔" یہ سن کر سبھاشکر انکل کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ اسی طرح راجیشور اور اس کے خاندان کے لیے شاندار تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ کھانے کے ساتھ ساتھ سارے محلے والوں نے ان کو تحائف سے بھی نوازا۔ ایک جاگیر دار نے سبھاشکر انکل کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ اس کے گھر کو اچھے دام فروخت کر کے رقم ان کے ہاں بھیج دیں گے۔ شام کو راجیشور پھر ہمارے گھر آیا۔

ہم نے مل کر کھانا کھایا۔ ابو جی حسب معمول ریڈیو سن رہے تھے۔ آج مسلم لیگ کے رہنما قوم سے خطاب کر رہے تھے۔ ہم نے بھی ان کی تقریر کے چند جملے سنے۔ "میرے ہم وطنو! غیر مسلم اگر یہاں ہمارے ساتھ رہنا چاہیں تو انہیں کسی قسم کی تکلیف کا سامنا نہیں کرنے دیں گے اور اگر وہ ہجرت کرنا چاہیں تب ہم ان کی مدد کریں گے۔ انہیں پیار و محبت سے رخصت کیا جائے گا۔ یہی دین اسلام ہمیں سکھاتا ہے۔" راجیشور نے آہستگی سے کہا۔ "تم لوگ بڑے خوش قسمت ہو جو ان جیسا لیڈر رکھتے ہو۔"

میں نے فخریہ انداز میں کہا۔ "اس لیے تو انہیں ہم قائد کہتے ہیں۔ وہ ہم بچوں کے لیے بھی ایک رول ماڈل ہیں۔ وہ ایک باہمت اور محنت پر یقین رکھنے والے لیڈر ہیں۔ ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ترقی کا ضامن ہے۔" ہم آپس میں مختلف موضوعات پر باتیں کر رہے تھے۔ ریڈیو پر خبریں شروع ہوئیں۔ سیاسی جماعتوں کی تقاریب، پاک بھارت کے مستقبل پر بحث ہو رہی تھی۔ اتنے میں ایک خبر نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا۔

"آج محلّہ پشتون آباد میں مسلم خاندانوں نے مل کر ہندو خاندان کے لیے تقریب کا انتظام کیا اور انہیں تحفے تحائف سے نوازا۔ اس خبر سے کئی حلقوں میں تشویش کی لہر پائی گئی ہے۔" یہ سن کر میرے والد کے چہرے کا رنگ اڑ گیا کیونکہ یہ سارا اہتمام ان کی نظامت میں ہوا تھا۔ انہوں نے جلدی سے اٹھ کر راجیشور کو اس کے گھر تک پہنچایا اور پوری رات سوچتے سوچتے کاٹی۔ صبح جب محلے دار سبھاشکر اور اس کے خاندان کو رخصت کرنے لگے تو اس دوران سیاسی جماعتوں کی چند گاڑیاں ہمارے محلے پہنچ گئیں۔ ابو جی بہت گھبرائے۔ انہیں رات والی خبر یاد آ گئی۔ اتنے میں رولز رائس گاڑی سے سیاہ شیروانی میں ملبوس ایک قدآور شخصیت اتری۔

جسے دیکھ کر سارے محلے دار پہلے حیران ہوئے پھر خوشی سے ان کا استقبال کرنے لگے۔ یہ ہمارے قائد تھے جنہوں نے گاڑی سے اتر کر سب کو سلام کیا اور سیدھا والد صاحب سے ملنے چلے آئے۔ انہوں نے ابو جی کو گلے لگایا اور کہا۔ "مجھے اپنے ہم وطنوں پر فخر ہے جو ہمسایوں کے ساتھ ایسا ہمدردانہ رویہ رکھتے ہیں۔ میں نے کل ریڈیو پر اس محلے کی خبر سنی تو میری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اس لیے میں خود تم سب سے ملنے چلا آیا۔"

" پھر انہوں نے راجیشور کو پاس بلا کر پیار کیا اور ایک خادم کو اشارہ کر کے گاڑی سے تحائف منگوائے اور سبھاشکر انکل کو خاندان سمیت خوشی خوشی رخصت کیا۔"

جشن آزادی مبارک

سر سبز پاکستان

اسماعامر

علی کل تم کرکٹ کھیلنے کیوں نہیں آئے؟ "عبداللہ نے آئس کریم کھاتے ہوئے علی سے پوچھا۔

14 "اگست آ رہی ہے تو اِس لیے کل میں اپنی امی ابو کے ساتھ خریداری کرنے بازار گیا تھا۔ "علی نے پاپ کارن کھاتے ہوئے، کل نہ آنے کی وجہ بتائی۔ "ابھی تو 14 اگست میں بیس دن باقی ہیں، تم نے اتنی جلدی خریداری کر لی؟ "پاس کھڑے حذیفہ نے حیرانی سے پوچھا۔ "ہاں یار اگلے چند دن میرے ابو کچھ مصروف ہیں تو اِس لیے ہم نے جلدی ہی خریداری کر لی۔

علی نے ہاتھ میں پکڑا پاپ کارن کا خالی شاپر پارک میں اگی ہوئی نرم گھاس پر پھینک دیا، جسے انیق نے بہت ناگواری سے دیکھا۔

"اچھا یہ بتا کیا کیا خریدا پھر کل تم نے؟ "عبداللہ نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ "ایک سفید رنگ کی شرٹ خریدی ہے جس پر بڑا سا پاکستان کا جھنڈا بنا ہوا ہے۔ جھنڈے کی دائیں جانب قائداعظم اور بائیں جانب علامہ اقبال کی تصویر بنی ہے اس کے ساتھ سبز رنگ کی پینٹ خریدی ہے، کچھ بینڈز، ایک بڑا جھنڈا، چھوٹی جھنڈیاں اور ایک باجا بھی خریدا ہے۔"

علی نے بہت خوش ہو کر کل خریدی جانے والی چیزوں کی فہرست عبداللہ کو بتائی۔ "میں بھی باجا خریدوں گا پھر ہم مل کر بجائیں گے بہت مزہ آئے گا۔ "عبداللہ نے پرجوش ہوتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو منہ پر جھنڈا بھی پینٹ کروانا ہے "پاس کھڑے حذیفہ نے لقمہ دیا۔

"اِس ساری خریداری کا کیا فائدہ " !پاس خاموش کھڑے انیق نے تاسف سے کہا۔

" کیا مطلب؟ "عبداللہ نے خیرانی سے پوچھا۔ "دیکھو عبداللہ ہر تہوار کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے جس کے تحت اسے منایا جاتا ہے۔ جیسے عیدالفطر روزہ داروں کے لیے ایک تحفہ ہے۔ بکرعید حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یاد میں منائی جاتی ہے۔ اِسی طرح 14 اگست کو منانے کے پیچھے ایک خاص مقصد ہونا چاہیے۔ اِس دن کو یوں باجے بجا کر ضائع نہیں کرنا چاہئے۔"

انیق نے اپنا موقف سامنے رکھا۔ "ہاں تو ہم کون سا سارا دن باجا بجاتے رہیں گے۔ جھنڈا لگائیں گے۔ چھوٹی جھنڈیوں سے پورا شہر سجائیں گے۔ قومی ترانہ گائیں گے۔

جشن آزادی مبارک

ملی نغمے گائیں گے۔ "عبداللہ ناک سے مکھی اڑاتے
ہوئے بولا۔ "یہ جھنڈے لگانے میں اور نغمے گانے میں
پاکستان کا کیا فائدہ؟؟
"انیق نے تعجب سے پوچھا۔ "ہم تو ابھی بچے ہیں، ہم
بھلا پاکستان کو کیسے فائدہ پہنچا سکتے ہیں؟؟
"علی نے مداخلت کی۔
"اپنے ملک کو صاف اور سرسبز رکھ کر۔
انیق نے علی کے پاں کے پاس سے پاپ کارن کا خالی
شاپر اٹھایا اور قریب پڑے کوڑے دان میں ڈال دیا۔
"جن پیسوں سے آپ جھنڈے اور جھنڈیاں خرید و گے
ان سے پودے خرید کر بھی تو لگائے جا سکتے ہیں جس سے
پاکستان کو سرسبز رکھنے کے لیے مصنوعی جھنڈیوں کی بھی
ضرورت نہیں ہوگی اور درخت پاکستان کو فائدہ بھی دیں
گے۔کس فائدے کی بات ہو رہی ہے؟انیق کے بڑے
بھائی ارحم نے پوچھا جو کسی کام سے پارک آیا تھا۔
"پاکستان کے فائدے کی بات کر رہے تھے۔ "انیق نے
مسکرا کر جواب دیا "ابھی تو آپ میرے ساتھ گھر چل کر
ابو کی بات سے فائدہ حاصل کریں، انھوں نے مجھے یہاں
آپ کو بلانے کیلئے بھیجا ہے۔
"انیق کا بڑا بھائی ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور انیق
سب کو خدا حافظ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔ "انیق ٹھیک کہہ
رہا تھا ہمیں جھنڈیوں کی جگہ پودوں سے پاکستان کو سرسبز
کرنا چاہیے۔ "عبداللہ نے شرمندگی سے سر جھکا کر کہا۔"
میں اب آئندہ ہر سال پودے لگا کر پاکستان کو ہرا بھرا
رکھوں گا۔"
عبداللہ نے پرعزم لہجے میں کہا۔ پارک میں موجود سب
دوستوں نے انیق کی بات سے اتفاق کیا لیکن علی بہت
اداس ہو گیا کیوں کہ اس نے سارے پیسے جھنڈے اور
جھنڈیوں پر خرچ کر دیے تھے۔
اگلے دن سب دوست پارک میں پودے لگانے میں
مصروف تھے۔"یہ پودے کتنے دنوں میں بڑے ہونگے ؟
"عبداللہ نے پیشانی پر آئے پسینے کو صاف کرتے ہوئے
پارک کے مالی، عبدالغفور چچا سے پوچھا۔ "آج تو لگائیں
ہیں، ابھی اِن کو بہت توجہ کی ضرورت ہے۔ "مالی چچا نے
مسکرا کر جواب دیا۔ "ارے واہ آج تو باغ میں رونق لگی
ہوئی ہے۔
"انیق نے پارک میں داخل ہوتے ہی کلونی کے سارے
بچوں کو پودوں کی صفائی ستھرائی میں مصروف دیکھ کر کہا۔
"ارے انیق بابو یہ سب تو عبداللہ اور حذیفہ بابو کی وجہ
سے ہوا ہے انھوں نے ہی سب سے کہا ہے کہ اس پارک
میں ہماری ٹیم کے ساتھ کرکٹ وہی کھیلے گا جو پارک کی
صفائی اور پودوں کی دیکھ بھال کرے گا۔
"مالی چچا نے خوش ہوتے ہوئے سارا معاملہ انیق کو بتایا۔
یہ لیں جی پاکستان کی ہریالی میں میرا حصہ بھی ڈال لیں۔
"علی نے ہاتھ میں پکڑا گلاب کا پودا مالی چچا کے سپرد کیا۔
"آخر کو اپنے گولک توڑ کر پیسے جمع کیے ہیں۔
علی نے قہقہ لگاتے ہوئے کہا تو سارا پارک اِن کے قہقہوں
سے گونج اٹھا۔

پاک صاف پاکستان

سرسبز شاداب پاکستان

☆☆☆☆

BAZM-E-AGHOSH
Agosh Al-Khidmat DIKhan
آغوش
AGHOSH
آغوش الخدمت

BAZM-E-SHAHEEN
Exam
Preparation
Workshop
Bazm e Shaheen Circle Batkhela

DECISION MAKING
ORPHAN CARE PROGRAM

جشن آزادی
مبارک

Monthly Shaheen -e- Iqbal Digest Peshawar Regd No P-291

QURTUBA UNIVERSITY
of Science and Information Technology

Admissions Fall 2021

Bachelor Programs
Duration 4 Years

- BS International Relations
- BS Compuer Science
- BS Polictical Science
- BS Mathematics
- BS Commerce
- BS Chemistry
- BS Zoology
- BS Physics
- BS Botany
- BS English
- BBA (Hons)
- B.Ed

MS, M.Phil Programs
Duration 2 Years

- International Relations
- Management Science
- Computer Science
- Political Science
- Pakistan Studies
- Mathematics
- Economics
- Education
- Zoology
- Physics
- Islamiyat
- English
- Urdu

Ph.D Programs
Duration 3 Years

- Management Science
- Political Science
- International Relations
- Computer Science
- Islamic Studies
- Botany
- Education, English, Urdu

Engineering Programs
D.I.Khan Campus Only

- B.Sc Civil Engineering
- B.Sc Civil Engineering Tech:
- B.Sc Electrical Engineering
- B.Sc Electrical Eng: Tech:

Law Program
D.I.Khan Campus Only

- L.L.B (Five Years)

Workers welfare board scholarships

صنعتی اداروں کے ملازمین/مزدوروں
کے بچوں کیلئے مفت تعلیم

Recognized by HEC | Approved by PBC | Accredited by PEC | Accredited by NACTE | Accredited by NCEAC | Accredited by NBEAC | Accredited by NTC

For details visit Peshawar campus

https://qurtuba.edu.pk/online_admissions

Peshawar Campus
Street 4, sector K-1, Phase-3, Hayatabad Peshawar
+92 91-5825707

D.I.Khan Campus
Sheikh Yusuf Road, Dera Ismail Khan
+92 966-714007